كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نورانیت کی طرف نکال لائیں"

بفضلہ تعالیٰ تمام تفسیروں سے اعلیٰ تفسیر

تفسیر ابن کثیر

جلد چہارم

رأس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۲۳

چند اہم مضامین کی فہرست

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

مجھے کیا ہو گیا ہے جو میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر رب رحمان مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں ○ پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں ○ میری سنو! میں تو سچے دل سے تم سب کے رب پر ایمان لا چکا ○

راہ حق کا شہید: ☆☆ (آیت: ۲۲-۲۵) وہ نیک بخت شخص جو اللہ کے رسولوں کی تکذیب وتردید اور توہین ہوتی دیکھ کر دوڑا ہوا آیا تھا اور جس نے اپنی قوم کو نبیوں کی تابعداری کی رغبت دلائی تھی' وہ اب اپنے عمل اور عقیدے کو ان کے سامنے پیش کر رہا ہے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کر کے ایمان کی دعوت دے رہا ہے' کہتا ہے کہ میں تو صرف اپنے خالق و مالک اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی ہی عبادت کرتا ہوں- جبکہ صرف اسی نے مجھے پیدا کیا ہے تو میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں؟ پھر یہ نہیں کہ اب ہم اس کی قدرت سے نکل گئے ہیں؟ اس سے اب ہمارا کوئی تعلق نہ رہا ہو؟ نہیں بلکہ سب کے سب لوٹ کر پھر اس کے سامنے جمع ہونے والے ہیں- اس وقت وہ ہر بھلائی برائی کا بدلہ دے گا- یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ میں اس خالق و قادر کو چھوڑ کر اوروں کو پوجوں جو نہ تو یہ طاقت رکھیں کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی مصیبت کو مجھ پر سے ٹال دیں' نہ یہ کہ ان کے کہنے سننے کی وجہ سے مجھے کوئی برائی پہنچے' اللہ اگر مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اسے دفع نہیں کر سکتے' روک نہیں سکتے' نہ مجھے اس سے بچا سکتے ہیں- اگر میں ایسے کمزوروں کی عبادت کرنے لگوں تو مجھ سے بڑھ کر گمراہ اور بہکا ہوا اور کون ہوگا؟ پھر تو نہ صرف مجھے بلکہ دنیا کے ہر بھلے انسان کو میری گمراہی کھل جائے گی- میری قوم کے لوگو! اپنے جس حقیقی معبود اور پروردگار سے تم منکر ہوئے ہو' سنو' میں تو اس کی ذات پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ بھی معنی اس آیت کے ہو سکتے ہیں کہ اس اللہ کے بندے مرد صالح نے اب اپنی قوم سے روگردانی کر کے اللہ کے ان رسولوں سے یہ کہا ہو کہ اللہ کے پیغمبرو! تم میرے ایمان کے گواہ رہنا! میں اس اللہ کی ذات پر ایمان لایا جس نے تمہیں برحق رسول بنا کر بھیجا ہے' پس گویا یہ اپنے ایمان پر' اللہ کے رسولوں کو گواہ بنا رہا ہے- یہ قول بہ نسبت اگلے قول کے بھی زیادہ واضح ہے- واللہ اعلم- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اتنا ہی کہنے پائے تھے جو تمام کفار پل پڑے اور زدوکوب کرنے لگے- کون تھا جو انہیں بچاتا؟ پتھر مارتے مارتے انہیں اسی وقت فی الفور شہید کر دیا (رضی الله تعالیٰ عنه و ارضاه) یہ اللہ کے بندے' یہ سچے ولی اللہ پتھر کھا رہے تھے لیکن زبان سے یہی کہے جا رہے تھے کہ اللہ میری قوم کو ہدایت کر' یہ جانتے نہیں-

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا کہنے لگا' کاش کہ میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ ○ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے ذی عزت لوگوں میں سے کر دیا○ اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں ○ وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بجھ بجھا گئے ○

ظالموں کے لئے عذاب الٰہی: ☆☆ (آیت:۲۶-۲۹) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کفار نے اس مومن کامل کو بے طرح مارا پیٹا' اسے گرا کر اس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اسے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آنتیں اس کے پیچھے کے راستے سے باہر نکل آئیں- اسی وقت اللہ کی طرف سے اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی- اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے رنج وغم سے آزاد کر دیا اور امن چین کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا' ان کی شہادت سے اللہ خوش ہوا' جنت ان کے لئے کھول دی گئی اور داخلہ کی اجازت مل گئی' اپنے ثواب واجر' عزت واکرام کو دیکھ کر پھر اس کی زبان سے نکل گیا' کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور میرا بڑا ہی اکرام کیا- فی الواقع مومن سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں' وہ دھوکے باز اور بدخواہ نہیں ہوتے- دیکھئے اس اللہ والے شخص نے زندگی میں بھی قوم کی خیر خواہی کی اور بعد مرگ بھی ان کا خیر خواہ رہا- یہ بھی مطلب ہے کہ وہ کہتا ہے' کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس سبب سے میرے رب نے بخشا اور کیوں میری عزت کی تو لامحالہ وہ بھی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی' اللہ پر ایمان لاتی اور رسولوں کی پیروی کرتی' اللہ ان پر رحمت کرے اور ان سے خوش رہے- دیکھو تو قوم کی ہدایت کے کس قدر خواہش مند تھے-

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ حضورؐ اگر اجازت دیں تو میں اپنی قوم میں تبلیغ دین کے لئے جاؤں اور انہیں دعوت اسلام دوں؟ آپؐ نے فرمایا' ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دیں؟ جواب دیا کہ حضورؐ اس کا تو خیال تک نہیں- انہیں مجھ سے اس قدر الفت وعقیدت ہے کہ میں سویا ہوا ہوں تو وہ مجھے جگائیں گے بھی نہیں' آپؐ نے فرمایا' اچھا پھر جایئے' یہ چلے' جب لات وعزیٰ کے بتوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کہنے لگے' اب تمہاری شامت آ گئی- قبیلہ ثقیف بگڑ بیٹھا- انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم ان بتوں کو ترک کرو- یہ لات وعزیٰ دراصل کوئی چیز نہیں' اسلام قبول کرو تو سلامتی حاصل ہوگی- اے میرے بھائی بندو! یقین مانو کہ یہ بت کچھ حقیقت نہیں رکھتے' ساری بھلائی اسلام میں ہے وغیرہ- ابھی تو تین ہی مرتبہ صرف اس کلمہ کو دوہرایا تھا جو ایک بدنصیب تن جلے نے دور سے ایک ہی تیر چلایا جو رگ اکحل پر لگا اور اسی وقت شہید ہو گئے' حضور علیہ السلام کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا' یہ ایسا ہی تھا جیسے سورۂ یٰسین والا جس نے کہا تھا' کاش کہ میری قوم میری مغفرت وعزت کو جان لیتی-

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کے پاس جب حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھے جنہیں یمامہ میں مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کر دیا تھا تو آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم یہ حبیب بھی اسی حبیب کی طرح تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے' ان سے اس کذاب نے حضورؐ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' بیشک وہ اللہ کے رسولؐ ہیں- اس نے کہا- میری نسبت بھی تو گواہی دیتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں؟ تو حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' میں نہیں سنتا- اس نے کہا محمد (ﷺ) کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں ان کی سچی رسالت کو مانتا ہوں' اس نے پھر پوچھا' میری رسالت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں نہیں سنتا- اس ملعون نے کہا' ان کی نسبت تو سن لیتا ہے اور میری نسبت بہرا بن جاتا ہے- ایک مرتبہ پوچھتا اور ان کے اس جواب پر ایک عضو بدن کٹوا دیتا' پھر پوچھتا' پھر یہی جواب پاتا- پھر ایک عضو بدن کٹواتا' اسی طرح جسم کا ایک ایک جوڑ کٹوا دیا اور وہ اپنے سچے اسلام پر آخری دم

تک قائم رہے اور جو جواب پہلے تھا' وہی آخر تک رہا یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ۔

اس کے بعد ان لوگوں پر جو غضب الٰہی نازل ہوا اور جس عذاب سے وہ غارت کر دیئے گئے' اس کا ذکر ہو رہا ہے' چونکہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا' اللہ کے ولی کو قتل کیا' اس لئے ان پر عذاب اترا اور ہلاک کر دیئے گئے لیکن انہیں برباد کرنے کے لئے اللہ نے تو کوئی لشکر آسمان سے بھیجا نہ کوئی خاص اہتمام کرنا پڑا نہ کسی بڑے سے بڑے کام کے لئے اس کی ضرورت' اس کا تو صرف حکم کر دینا کافی ہے' نہ انہیں اس کے بعد کوئی تنبیہہ کی گئی نہ ان پر فرشتے اتارے گئے بلکہ بلا مہلت عذاب میں پکڑ لئے گئے اور بغیر اس کے کہ کوئی نام لینے والا' پانی دینے والا ہو' اول سے آخر تک ایک ایک کر کے سب کے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے شہر انطاکیہ کے دروازے کی چوکھٹ تھام کر اس زور سے ایک آواز لگائی کہ کلیجے پاش پاش ہو گئے' دل اڑ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں۔

حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کے پاس جو تینوں رسول آئے تھے' یہ حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے قاصد تھے لیکن اس میں قدرے کلام ہے' اولاً تو یہ کہ قصے کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستقل رسولؑ تھے۔ فرمان ہے اِذْ اَرْسَلْنَا الخ' جبکہ ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے۔ جب انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کی مدد کے لئے تیسرا رسول بھیجا۔ پھر اللہ کے یہ رسول اہل انطاکیہ سے کہتے ہیں اِنَّا اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ الخ' یعنی ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔ پس اگر یہ تینوں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے ہوتے تو انہیں یہ کہنا مناسب نہ تھا بلکہ وہ کوئی ایسا جملہ کہتے جس سے معلوم ہو جاتا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے قاصد ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ کفار انطاکیہ ان کے جواب میں کہتے ہیں اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو' دیکھو یہ کلمہ کفار ہمیشہ رسولوں کو ہی کہتے رہے۔ اگر وہ حواریوں میں سے ہوتے تو ان کا مستقل دعویٰ رسالت کا تھا ہی نہیں۔ پھر انہیں یہ لوگ یہ الزام ہی کیوں دیتے؟ ثانیاً اہل انطاکیہ کی طرف حضرت مسیحؑ کے قاصد گئے تھے اور اس وقت اس بستی کے لوگ ان پر ایمان لائے تھے بلکہ یہی وہ بستی ہے جو ساری کی ساری جناب مسیحؑ پر ایمان لائی۔ اسی لئے نصرانیوں کے وہ چار شہر جو مقدس سمجھے جاتے ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے۔ بیت المقدس کی بزرگی کے وہ قائل اس لئے ہیں کہ وہ حضرت مسیحؑ کا شہر ہے اور انطاکیہ کو حرمت والا شہر اس لئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہیں کے لوگ حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے اور اسکندریہ کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مذہبی عہدے داروں کے تقرر پر اجماع کیا اور رومیہ کی حرمت کے قائل اس وجہ سے ہیں کہ شاہ قسطنطین کا شہر یہی ہے اور اسی بادشاہ نے ان کے دین کی امداد کی تھی اور یہیں ان کے تبرکات کو رومیہ سے یہاں لا رکھا۔ سعد بن بطریق وغیرہ نصرانی مورخین کی تاریخ کی کتابوں میں یہ سب واقعات مذکور ہیں۔ مسلمان مورخین نے بھی یہی لکھا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انطاکیہ والوں نے حضرت عیسیٰؑ کے قاصدوں کی تو مان لی تھی۔ اور یہاں بیان ہے کہ انہوں نے نہ مانی اور ان پر عذاب الٰہی آیا اور تہس نہس کر دیئے گئے تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اور ہے۔ یہ رسول مستقل رسالت پر مامور تھے۔ انہوں نے نہ مانا جس پر انہیں سزا ہوئی اور وہ بے نشان کر دیئے گئے اور چراغ سحری کی طرح بجھا دیئے گئے۔ واللہ اعلم۔

ثالثاً انطاکیہ والوں کا قصہ جو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے ساتھ وقوع میں آیا' وہ قطعاً تورات کے اترنے کے بعد کا ہے اور حضرت ابو سعید خدریؓ اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ توراۃ کے نازل ہو چلنے کے بعد کسی بستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آسمانی عذاب سے بالکل برباد نہیں کیا بلکہ مومنوں کو کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دے کر کفار کو نیچا دکھایا ہے جیسا کہ آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَھْلَکْنَا الخ کی تفسیر میں ہے اور اس بستی کی آسمانی ہلاکت پر آیات قرآنی شاہد عدل موجود ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ

واقعہ انطاکیہ کا نہیں جیسے کہ بعض سلف کے اقوال بھی اسے مستثنیٰ کر کے بتاتے ہیں کہ اس سے مراد مشہور شہر انطاکیہ نہیں' ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی شہر اور بھی ہو اور یہ واقعہ وہاں کا ہو۔ اس لئے کہ جو انطاکیہ مشہور ہے' اس کا عذاب الٰہی سے نیست و نابود ہونا مشہور نہیں ہوا۔ نہ تو نصرانیت کے زمانہ میں اور نہ اس سے پہلے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم' یہ بھی یاد رہے کہ طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ دنیا میں تین ہی شخص سبقت کرنے میں سب سے آگے نکل گئے ہیں' حضرت موسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے تو حضرت یوشع بن نونؑ تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے وہ شخص تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے اور محمد ﷺ کی خدمت میں آگے بڑھنے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' یہ حدیث بالکل منکر ہے۔ صرف حسین اشعر اسے روایت کرتا ہے اور وہ شیعہ ہے اور متروک ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالصواب۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾ ع۲۰

بندوں پر افسوس! کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے نہ اڑائی ہو ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہم نے غارت کر دی ہیں جو ان کی طرف واپس نہیں لوٹتے ○ اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کی جائے گی ○

منکرین کی ندامت: ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۲) بندوں پر حسرت و افسوس ہے۔ بندے کل اپنے اوپر کیسے نادم ہوں گے۔ بار بار کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے تو خود اپنا برا کیا۔ بعض قراتوں میں يٰحَسْرَةَ الْعِبَادِ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بھی ہے مطلب یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن عذابوں کو دیکھ کر ہاتھ ملیں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور کیوں اللہ کے فرمان کے خلاف کیا؟

دنیا میں تو ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی جو رسول آیا' انہوں نے بلا تامل جھٹلایا اور دل کھول کر ان کی بے ادبی اور توہین کی۔ وہ اگر یہاں تامل کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے پیغمبروں کی نہ مانی تھی' وہ غارت و برباد کر دیئے گئے' ان کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ ایک بھی تو ان میں سے نہ بچ سکا' نہ اس دار آخرت سے کوئی واپس پلٹا۔ اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو دہریہ تھے۔ جن کا خیال تھا کہ یونہی دنیا میں مرتے جیتے چلے جائیں گے' لوٹ لوٹ کر اس دنیا میں آئیں گے۔ تمام گزرے ہوئے موجود اور آنے والے لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے حاضر کئے جائیں گے اور وہاں ہر ایک بھلائی برائی کا بدلہ پائیں گے۔

جیسے اور آیت میں فرمایا وَاِنْ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ یعنی ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ تیرا رب عطا فرمائے گا' ایک قراءت میں لَمَا ہے تو ان اثبات کے لئے ہوگا اور لَمَّا پڑھنے کے وقت ان نافیہ ہوگا اور لَمَّا معنی میں اِلَّا کے ہوگا' تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ نہیں ہیں سب مگر یہ کہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر شدہ ہیں۔ دوسری قراءت کی صورت میں بھی مطلب یہی رہے گا۔ واللہ سبحان وتعالیٰ اعلم۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾

ان کے لئے ایک نشانی خشک مردہ زمین ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں اور جس سے اناج نکالتے ہیں جس میں سے وہ کھاتے ہیں ○ اور ہم اس میں کھجوروں کے اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں جن میں ہم چشمے بھی جاری کر دیتے ہیں ○ تا کہ لوگ اس کے پھل کھائیں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے نہیں بنایا' پھر کیوں شکر گذاری نہیں کرتے؟ ○ وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں خواہ خود ان کے نفوس ہوں' خواہ وہ چیزیں ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں ○

وجود باری تعالیٰ کی ایک نشانی: ☆☆ (آیت: ۳۳-۳۶) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے وجود پر' میری زبردست قدرت پر اور مردوں کو زندگی دینے پر ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مردہ زمین جو بنجر خشک پڑی ہوئی ہوتی ہے' جس میں کوئی روئیدگی' تازگی' ہریاول' گھاس وغیرہ نہیں ہوتی' میں اس پر آسمان سے پانی برساتا ہوں' وہ مردہ زمین جی اٹھتی ہے' لہلہانے لگتی ہے' ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اگ جاتا ہے' اور قسم قسم کے پھل پھول وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں۔ تو فرماتا ہے کہ ہم اس مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے قسم قسم کے اناج پیدا کرتے ہیں' بعض کو تم کھاتے ہو' بعض تمہارے جانور کھاتے ہیں۔ ہم اس میں کھجوروں کے' انگوروں کے باغات وغیرہ تیار کر دیتے ہیں۔ نہریں جاری کر دیتے ہیں جو باغوں اور کھیتوں کو سیراب' سرسبز و شاداب کرتی رہتی ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ ان درختوں کے میوے دنیا کھائے' کھیتیوں سے باغات سے نفع حاصل کرے' حاجتیں پوری کرے' یہ سب اللہ کی رحمت اور اس کی قدرت سے پیدا ہو رہے ہیں' کسی کے بس اور اختیار میں نہیں' تمہارے ہاتھوں کی پیدا کردہ یا حاصل کردہ چیزیں نہیں۔ نہ تم میں انہیں اگانے کی طاقت نہ تم میں انہیں بچانے کی قدرت' نہ انہیں پکانے کا تمہیں اختیار۔ صرف اللہ کے یہ کام ہیں اور اسی کی یہ مہربانی ہے اور اس کے احسان کے ساتھ ہی ساتھ یہ اس کی قدرت کے نمونے ہیں' پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو شکر گزاری نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا ان گنت نعمتیں اپنے پاس ہوتے ہوئے اس کا احسان نہیں مانتے؟۔

ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ باغات کے پھل جو کھاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کا بویا ہوا یہ پاتے ہیں' چنانچہ ابن مسعود کی قرأت میں وَمِمَّا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ہے۔ پاک اور برتر اور تمام نقصانات سے بری وہ اللہ ہے جس نے زمین کی پیداوار کو اور خود تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور مختلف قسم کی مخلوق کے جوڑے بنائے ہیں جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ

يَنۢبَغِىْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اوران کے لئے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو الگ کر دیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○ اور سورج کے لئے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے اندازہ غالب باعلم اللہ کا ○ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ ہر پھر کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے ○ نہ تو آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے۔ سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں ○

گردش شمس وقمر: ☆☆ (آیت: ۳۷-۴۰) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اور نشانی بیان ہو رہی ہے اور وہ دن رات ہیں جو اجالے اور اندھیرے والے ہیں اور برابر ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں جیسے فرمایا يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا رات سے دن کو چھپاتا ہے اور رات دن کو جلدی جلدی ڈھونڈتی آتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا' رات میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں' دن تو ختم ہوا اور رات آ گئی اور ہر طرف سے اندھیرا چھا گیا۔ حدیث میں ہے' جب ادھر سے رات آ جائے اور دن ادھر سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزے دار افطار کر لے۔ ظاہر آیت تو یہی ہے لیکن حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب مثل آیت يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

حضرت امام ابن جریرؒ اس قول کو ضعیف بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں' اس آیت میں جو لفظ ایلاج ہے' اس کے معنی ایک کی کمی کر کے دوسری میں زیادتی کرنے کے ہیں' اور یہ مراد اس آیت میں نہیں' امام صاحب کا یہ قول حق ہے۔ مُسْتَقَرَ سے مراد یا تو مستقر مکانی یعنی جائے قرار ہے اور وہ عرش تلے کی وہ سمت ہے پس ایک سورج ہی نہیں بلکہ کل مخلوق عرش کے نیچے ہی ہے اس لئے کہ عرش ساری مخلوق کے اوپر ہے اور سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ کُرّہ نہیں ہے جیسے کہ ہیئت داں کہتے ہیں۔ بلکہ وہ مثل قبے کے ہے جس کے پائے ہیں اور جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ انسانوں کے سروں کے اوپر اوپر والے عالم میں ہے' پس جبکہ سورج فلکی قبے میں ٹھیک ظہر کے وقت ہوتا ہے' اس وقت وہ عرش سے بہت قریب ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گھوم کر چوتھے فلک میں اسی مقام کے بالمقابل آ جاتا ہے' یہ آدھی رات کا وقت ہوتا ہے جبکہ وہ عرش سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ پس وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے جیسے کہ احادیث میں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں سورج کے غروب ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں تھا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا' جانتے ہو یہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتا ہے' آپؐ نے فرمایا' وہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ پھر آپ نے آیت وَالشَّمْسُ الخ' تلاوت کی۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ سے حضرت ابوذرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' اس کی قرارگاہ عرش کے نیچے ہے۔ مسند احمد میں اس سے پہلے کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے۔ گویا اس سے کہا جاتا ہے کہ جہاں سے آیا تھا' وہیں لوٹ جا تو وہ اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے نکلتا ہے اور یہی اس کا مستقر ہے' پھر آپ نے اس آیت کے ابتدائی فقرے کو پڑھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن قبول نہ کیا جائے اور اجازت مانگے لیکن اجازت نہ دی جائے بلکہ کہا جائے' جہاں سے آیا ہے' وہیں لوٹ جا۔ پس وہ مغرب سے ہی طلوع کرے یہی معنی ہیں اس آیت کے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہوتا ہے۔ اسے انسانوں کے گناہ لوٹا دیتے ہیں۔ وہ غروب ہو کر سجدے میں پڑتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے' ایک دن یہ غروب ہو کر بہ عاجزی

سجدہ کرے گا اور اجازت مانگے گا لیکن اجازت نہ دی جائے گی - وہ کہے گا کہ راہ دور ہے اور اجازت ملی نہیں تو پہنچ نہیں سکوں گا - پھر کچھ دیر روک رکھنے کے بعد اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے غروب ہوا تھا' وہیں سے طلوع ہو جا - یہی قیامت کا دن ہوگا جس دن ایمان لانا محض بے سود ہوگا اور نیکیاں کرنی بھی ان کے لئے جو اس سے پہلے ایمان دار اور نیکو کار نہ تھے' بیکار ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستقر سے مراد اس کے چلنے کی انتہا ہے - پوری بلندی جو گرمیوں میں ہوتی ہے اور پوری پستی جو جاڑوں میں ہوتی ہے - پس یہ ایک قول ہوا -

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت کے اس لفظ مستقر سے مراد اس کی چال کا خاتمہ ہے - قیامت کے دن اس کی حرکت باطل ہو جائے گی - یہ بے نور ہو جائے گا اور یہ عالم کل کا کل ختم ہو جائے گا - یہ مستقر زمانی ہے - حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' وہ اپنے مستقر پر چلتا ہے یعنی اپنے وقت اور اپنی میعاد پر جس سے تجاوز کر نہیں سکتا - جو اس کے راستے جاڑوں کے اور گرمیوں کے مقرر ہیں' انہی راستوں سے آتا جاتا ہے' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قراءت لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا ہے یعنی اس کے لئے سکون و قرار نہیں بلکہ دن رات بحکم الٰہی چلتا رہتا ہے' نہ رکے نہ تھکے جیسے فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ یعنی اس نے تمہارے لئے سورج چاند کو مسخر کیا ہے جو نہ تھکیں نہ ٹھہریں - قیامت تک چلتے پھرتے ہی رہیں گے - یہ اندازہ اس اللہ کا ہے جو غالب ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا' جس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا' وہ علیم ہے' ہر حرکت و سکون کو جانتا ہے' اس نے اپنی حکمت کاملہ سے اس کی چال مقرر کی ہے جس میں نہ اختلاف واقع ہو سکے نہ اس کے برعکس ہو سکے - جیسے فرمایا فَالِقُ الْإِصْبَاحِ الخ صبح کا نکالنے والا جس نے رات کو راحت کا وقت بنایا اور سورج چاند کو حساب سے مقرر کیا' یہ ہے اندازہ غالب ذی علم والے کا - حم سجدہ کی آیت کو بھی اسی طرح ختم کیا -

پھر فرماتا ہے' چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں - وہ ایک جداگانہ چال چلتا ہے جس سے مہینے معلوم ہو جائیں جیسے سورج کی چال سے رات دن معلوم ہو جاتے ہیں - جیسے فرمان ہے کہ لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواب دے کہ وقتوں اور حج کے موسم کو بتانے کے لئے - اور آیت میں فرمایا' اس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور دیا ہے اور اس کی منزلیں ٹھہرا دی ہیں تاکہ تم سالوں کو اور حساب کو معلوم کر لو - ایک آیت میں ہے' ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا ہے' رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن کیا ہے تاکہ تم اس میں اپنے رب کی نازل کردہ روزی کو تلاش کر سکو اور برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو - ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے - پس سورج کی چمک دمک اس کے ساتھ مخصوص ہے اور چاند کی روشنی اسی میں ہے - اس کی اور اس کی چال بھی مختلف ہے - سورج ہر دن طلوع و غروب ہوتا ہے - اسی روشنی کے ساتھ ہوتا ہے' ہاں اس کے طلوع و غروب کی جگہیں جاڑے میں اور گرمی میں الگ الگ ہوتی ہیں' اسی سبب سے دن رات کی طولانی میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے - سورج دن کا ستارہ ہے' اور چاند رات کا ستارہ ہے - اس کی منزلیں مقرر ہیں -

مہینے کی پہلی رات طلوع ہوتا ہے - بہت چھوٹا سا ہوتا ہے - روشنی کم ہوتی ہے' دوسری شب روشنی اس سے بڑھ جاتی ہے اور منزل بھی ترقی کرتی جاتی ہے' پھر جوں جوں بلند ہوتا جاتا ہے' روشنی بڑھتی جاتی ہے' گو اس کی نورانیت سورج سے لی ہوئی ہوتی ہے - آخر چودھویں رات کو چاند کامل ہو جاتا ہے اور اس کی چاندنی بھی کمال کی ہو جاتی ہے - پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ بتدریج گھٹتا ہوا مثل کھجور کے خوشے کی ٹہنی کے ہو جاتا ہے جس پر تر کھجوریں لٹکتی ہوں اور وہ خشک ہو کر بل کھا گئی ہو - پھر اسے نئے سرے سے اللہ تعالیٰ دوسرے مہینے کی ابتدا میں ظاہر کرتا ہے' عرب میں چاند کی روشنی کے اعتبار سے مہینے کی راتوں کے نام رکھ لئے گئے ہیں' مثلاً پہلی تین راتوں کا نام غرر ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام نفل ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام تسع ہے' اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے' اس کے

بعد کی تین راتوں کا نام عشر ہے' اس لئے کہ اس کا شروع دسویں سے ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام بیض ہے' اس لئے کہ ان راتوں میں چاندنی کی روشنی آخر تک رہا کرتی ہے' اس کے بعد کی تین راتوں کا نام ان کے ہاں درع ہے' یہ لفظ درعاء کی جمع ہے' ان کا یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ سولہویں کو چاند ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے تو تھوڑی دیر تک اندھیرا یعنی سیاہی رہتی ہے اور عرب میں اس بکری کو جس کا سر سیاہ ہو' شاۃ درعاء کہتے ہیں۔ اس کے بعد کی تین راتوں کو ظلم کہتے ہیں' پھر تین کو ضاوس پھر تین کو دراری' پھر تین کو محاق اس لئے کہ اس میں چاند ختم ہو جاتا ہے اور مہینہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان میں سے تسع اور عشر کو قبول نہیں کرتے' ملاحظہ ہو کتاب غریب المصنف۔ سورج چاند کی حدیں اس نے مقرر کی ہیں۔ ناممکن ہے کہ کوئی اپنی حد سے ادھر ادھر ہو جائے یا آگے پیچھے ہو جائے۔ اس کی باری کے وقت وہ گم ہے۔ اس کی باری کے وقت یہ خاموش ہے۔

حسن کہتے ہیں یہ چاند رات کو ہے۔ ابن مبارک کا قول ہے' ہوا کے پر ہیں اور چاند پانی کے غلاف تلے جگہ کرتا ہے' ابو صالح فرماتے ہیں' اس کی روشنی اس کی روشنی کو پکڑ نہیں سکتی۔ عکرمہ فرماتے ہیں' رات کو سورج طلوع نہیں ہو سکتا نہ رات دن سے سبقت کر سکتی ہے۔ یعنی رات کے بعد ہی رات نہیں آ سکتی بلکہ درمیان میں دن آ جائے گا' پس سورج کی سلطنت دن کو ہے اور چاند کی بادشاہت رات کو ہے' رات ادھر سے جاتی ہے' ادھر سے دن آتا ہے' ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں لیکن نہ تصادم کا ڈر ہے نہ بے نظمی کا خطرہ ہے' نہ یہ کہ دن ہی دن چلا جائے۔ رات نہ آئے نہ اس کے خلاف' ایک جاتا ہے' دوسرا آتا ہے' ہر ایک اپنے اپنے وقت پر غائب و حاضر ہوتا رہتا ہے' سب کے سب یعنی سورج چاند دن رات فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور گھومتے پھرتے ہیں۔ زید بن عاصمؒ کا قول ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان فلک میں یہ سب آ جا رہے ہیں لیکن یہ بہت غریب بلکہ منکر قول ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں' فلک مثل چرخے کے تکلے کے ہے۔ بعض کہتے ہیں مثل چکی کے لوہے کے پاٹ کے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾

ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ○ اور ان کے لئے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے ○ پھر نہ تو کوئی ان کا مددگار ہوتا نہ وہ رہا کئے جاتے ○ لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت تک کے لئے انہیں فائدہ دے رہے ہیں ○

سمندر کی تسخیر: ☆☆ (آیت ۴۱-۴۴) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کی ایک نشانی بتا رہا ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے جس میں کشتیاں برابر آمد و رفت کر رہی ہیں۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر وہ خود اور ان کے ساتھ ایماندار بندے نجات پا گئے تھے۔ باقی روئے زمین پر ایک انسان بھی نہ بچا تھا۔ ہم نے اس زمانے والے لوگوں کے آباؤ اجداد کو کشتی میں بٹھا لیا تھا جو بالکل بھرپور تھی۔ کیونکہ اس میں ضرورت کا کل اسباب بھی تھا اور ساتھ ہی حیوانات بھی تھے جو اللہ کے حکم سے اس میں بٹھا لئے گئے تھے۔ ہر قسم کے جانور کا ایک ایک جوڑا تھا' بڑا باوقار' مضبوط اور بوجھل وہ جہاز تھا' یہ صفت بھی صحیح طور پر حضرت نوحؑ کی

کشتی پر صادق آتی ہے۔

اسی طرح کی خشکی کی سواریاں بھی اللہ نے ان کے لئے پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً اونٹ جو خشکی میں وہی کام دیتا ہے جو تری میں کشتی کام دیتی ہے۔ اسی طرح دیگر چوپائے جانور ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کشتی نوح علیہ السلام نمونہ بنی اور پھر اس نمونے پر اور کشتیاں اور جہاز بنتے چلے گئے۔ اس مطلب کی تائید آیت لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً الخ سے بھی ہوتی ہے یعنی جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے انہیں کشتی میں سوار کر لیا تاکہ اسے تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔ ہمارے اس احسان کو فراموش نہ کرو کہ سمندر سے ہم نے تمہیں پار کر دیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسی میں تمہیں ڈبو دیتے‘ کشتی کی کشتی بیٹھ جاتی‘ کوئی نہ ہوتا جو اس وقت تمہاری فریاد رسی کرے نہ کوئی ایسا تمہیں ملتا جو تمہیں بچا سکے۔ لیکن یہ صرف ہماری رحمت ہے کہ خشکی اور تری کے لمبے چوڑے سفر تم بہ آرام و راحت طے کر رہے ہو اور ہم تمہیں اپنے ٹھہرائے ہوئے وقت تک ہر طرح سلامت رکھتے ہیں۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّقُوۡا مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ وَمَا خَلۡفَكُمۡ لَعَلَّكُمۡ
تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا
مُعۡرِضِيۡنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ
قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ
اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۴۷﴾ وَ
يَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ مَا
يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً تَاۡخُذُهُمۡ وَهُمۡ يَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾
فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ تَوۡصِيَةً وَّلَاۤ اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع ۱۸ ۲

ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے گناہوں سے بچو تاکہ تم پر رحم کر دیا جائے ○ ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ برتتے ہوں ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ دو تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں‘ جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا۔ تم تو ہو ہی کھلی غلطی میں ○ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب آئے گا؟ سچے ہو تو بتلاؤ ○ انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آ پکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے ○ اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے والوں کی طرف لوٹ سکیں گے ○

کفار کا تکبر: ☆☆ (آیت: ۴۵-۴۷) کافروں کی سرکشی‘ نادانی اور عناد و تکبر بیان ہو رہا ہے کہ جب ان سے گناہوں سے بچنے کو کہا جاتا ہے کہ جو کر چکے‘ ان پر نادم ہو جاؤ‘ ان سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے ان سے احتیاط کرو‘ اس سے اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہیں اپنے عذابوں سے بچا لے گا۔ تو وہ اس پر کاربند ہونا تو ایک طرف‘ اور منہ پھلا لیتے ہیں‘ قرآن نے اس جملے کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ آگے جو آیت ہے‘ وہ اس پر صاف طور سے دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہے کہ یہی ایک بات کیا؟ ان کی تو عادت ہو گئی ہے کہ اللہ کی ہر بات سے منہ پھیر لیں۔ نہ اس کی توحید کو مانتے ہیں نہ رسولوں کو سچا جانتے ہیں‘ نہ ان میں غور و خوض کی عادت‘ نہ ان میں قبولیت کا مادہ نہ نفع کو حاصل کرنے کا ملکہ۔ ان کو جب

کبھی اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کو کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس میں فقراء، مساکین اور محتاجوں کا حصہ بھی ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ کا ارادہ ہوتا تو ان غریبوں کو خود ہی دیتا' جب اللہ ہی کا ارادہ انہیں دینے کا نہیں تو ہم اللہ کے ارادے کے خلاف کیوں کریں؟ تم جو ہمیں خیرات کی نصیحت کر رہے ہو اس میں بالکل غلطی پر ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ پچھلا جملہ کفار کی تردید میں اللہ کی طرف سے ہو۔ یعنی اللہ ان کفار سے فرما رہا ہے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو لیکن ان سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کفار کے جواب کا حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

قیامت کے بعد کوئی مہلت نہ ملے گی: ☆☆ (آیت: ۴۸-۵۰) کافر چونکہ قیامت کے آنے کے قائل نہ تھے' اس لئے وہ نبیوں سے اور مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ پھر قیامت کو لاتے کیوں نہیں؟ اچھا یہ تو بتاؤ کہ کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اس کے آنے کے لئے ہمیں کچھ سامان نہیں کرنے پڑیں گے' صرف ایک مرتبہ صور پھونک دیا جائے گا۔

دنیا کے لوگ روزمرہ کی طرح اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے' جب اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم دے گا وہیں لوگ ادھر ادھر گرنے شروع ہو جائیں گے۔ اس آسمانی تیز و تند آواز سے سب کے سب محشر میں اللہ کے سامنے جمع کر دیئے جائیں گے۔ اس چیخ کے بعد کسی کو اتنی بھی مہلت نہیں ملنی کہ کسی سے کچھ کہہ سن سکے' کوئی وصیت اور نصیحت کر سکے اور نہ ہی انہیں اپنے گھروں کو واپس جانے کی طاقت رہے گی۔ اس آیت کے متعلق بہت سے آثار و احادیث ہیں جنہیں ہم دوسری جگہ وارد کر چکے ہیں۔ اس پہلے نفخہ کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا جس سے سب کے سب مر جائیں گے' کل جہان فنا ہو جائے گا' بجز اس ہمیشگی والے اللہ عزوجل کے جسے فنا نہیں۔ اس کے بعد پھر جی اٹھنے کا نفخہ ہوگا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

صور کے پھونکتے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف تیز تیز چلنے لگیں گے ۝ کہیں گے ہائے ہائے' ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ یہی ہے جس کا وعدہ رب رحمان نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا ۝ یہ نہیں ہے مگر ایک تند آواز کہ یکایک سارے کے سارے جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے ۝ پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر صرف انہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ۝

قیامت کے دوسرے نفخہ پر لوگوں کا حال: ☆☆ (آیت: ۵۱-۵۴) ان آیتوں میں دوسرے نفخہ کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مردے جی اٹھیں گے۔ يَنْسِلُوْنَ کا مصدر نَسْلَان سے ہے اور اس کے معنی تیز چلنے کے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا الخ جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس تیزی سے چلیں گے کہ گویا وہ کسی نشان منزل کی طرف لپکے جا رہے ہیں۔ چونکہ دنیا میں انہیں قبروں سے جی اٹھنے کا ہمیشہ انکار رہا تھا اس لئے آج یہ حالت دیکھ کر کہیں گے کہ ہائے افسوس' ہمارے سونے کی جگہ سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ اس سے قبر کے عذاب کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ جس ہول و شدت کو' جس تکلیف اور مصیبت کو یہ اب

دیکھیں گے' اس کی بہ نسبت تو قبر کے عذاب بے حد خفیف ہی تھے گویا کہ وہ وہاں آرام میں تھے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے ذرا سی دیر کے لئے فی الواقع انہیں نیند آ جائے گی' حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں پہلے نفخہ اور اس دوسرے نفخہ کے درمیان یہ سو جائیں گے' اس لئے اب اٹھ کر یوں کہیں گے اس کا جواب ایماندار لوگ دیں گے کہ اسی کا وعدہ اللہ کا تھا اور یہی اللہ کے سچے رسولؑ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جواب فرشتے دیں گے۔ بہرحال دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ مومن بھی کہیں اور فرشتے بھی کہیں۔ واللہ اعلم۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کہتے ہیں' یہ کل قول کافروں کا ہی ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جسے ہم نے پہلے نقل کیا جیسے کہ سورۂ صافات میں ہے کہ یہ کہیں گے ہائے افسوس' ہم پر یہ جزا کا دن ہے۔ یہی فیصلے کا دن ہے جسے ہم جھٹلاتے تھے۔ اور آیت میں ہے وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ الخ جس دن قیامت برپا ہو گی' گنہگار قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ صرف ایک ساعت ہی رہے ہیں' اسی طرح وہ ہمیشہ حق سے پھرے رہے' اس وقت باایمان اور علماء فرمائیں گے' تم اللہ کے لکھے ہوئے کے مطابق قیامت کے دن تک رہے۔ یہی قیامت کا دن ہے لیکن تم محض بے علم ہو۔ تم تو اسے ان ہونی مانتے تھے حالانکہ وہ ہم پر بالکل سہل ہے۔ ایک آواز کی دیر ہے کہ ساری مخلوق ہمارے سامنے موجود ہو جائے گی' جیسے اور آیت میں ہے کہ ایک ڈانٹ کے ساتھ ہی سب میدان میں مجتمع موجود ہوں گے۔ اور آیت میں فرمایا' امر قیامت تو مثل آنکھ جھپکانے کے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے' اور جیسے فرمایا یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ جس دن وہ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم مدت رہے۔ الغرض حکم کے ساتھ ہی سب حاضر سامنے موجود۔ اس دن کسی کا کوئی عمل مارا نہ جائے گا' ہر ایک کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

جنتی لوگ آج کے دن اپنے دلچسپ مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں ○ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے ○ ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں گے ○ مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا ○

جنت کے مناظر: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۸) جنتی لوگ میدان قیامت سے فارغ ہو کر جنتوں میں بہ صد اکرام و بہ ہزار تعظیم پہنچائے جائیں گے اور وہاں کی گوناں گوں نعمتوں اور راحتوں میں اس طرح مشغول ہوں گے کہ کسی دوسری جانب نہ التفات ہو گا نہ کسی اور طرف کا خیال' یہ جہنم سے' جہنم والوں سے بے فکر ہوں گے۔ اپنی لذتوں اور مزے والوں میں منہمک ہوں گے۔ اس قدر مسرور ہوں گے کہ ہر ایک چیز سے بے خبر ہو جائیں گے۔ نہایت ہشاش بشاش ہوں گے' کنواری حوریں انہیں ملی ہوئی ہوں گی' جن سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہوں گے طرح طرح کی راگ راگنیاں اور خوش کن آوازیں دلفریبی سے ان کے دلوں کو لبھا رہی ہوں گی۔ ان کے ساتھ ہی اس لطف و سرور میں ان کی بیویاں اور ان کی حوریں بھی شامل ہوں گی۔ جنتی میوے دار درختوں کے ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں بہ آرام تختوں پر تکیوں سے لگے بے غمی اور بے فکری کے ساتھ اللہ کی مہمانداری سے مزے اٹھا رہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوے بکثرت ان کے پاس موجود ہوں گے۔ اور بھی جس چیز کو جی چاہے' جو خواہش ہو' پوری ہو جائے گی۔ سنن ابن ماجہ کی کتاب الزہد میں اور ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا تم میں سے

کوئی اس جنت میں جانے کا خواہش مند اور اس کے لئے تیاریاں کرنے والا اور مستعدی ظاہر کرنے والا ہے جس میں کوئی خوف وخطر نہیں' رب کعبہ کی قسم وہ سراسر نور ہی نور ہے۔ اس کی تازگیاں بے حد ہیں۔ اس کا سبزہ لہلہا رہا ہے' اس کے بالا خانے مضبوط' بلند اور پختہ ہیں' اس کی نہریں بھری ہوئی اور بہہ رہی ہیں۔ اس کے پھل ذائقہ دار' پکے ہوئے اور بکثرت ہیں۔ اس میں خوبصورت نوجوان حوریں ہیں اور ان کے لباس ریشمی اور بیش قیمت ہیں' اس کی نعمتیں ابدی اور لازوال ہیں' وہ سلامتی کا گھر ہے' وہ سبز اور تازے پھلوں کا باغ ہے' اس کی نعمتیں بہ کثرت اور عمدہ ہیں اور اس کے محلات بلند وبالا اور مزین ہیں۔ یہ سن کر جتنے صحابہؓ تھے' سب نے کہا حضورؐ ہم اس کے لئے تیاری کرنے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں' آپؐ نے فرمایا ان شاء اللہ کہو چنانچہ انہوں نے کہا ان شاء اللہ۔ اللہ کی طرف سے ان پر سلام ہی سلام ہے۔ خود اللہ کا اہل جنت کے لئے سلام ہے' جیسے فرمایا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ الخ ان کا تحفہ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے' سلام ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنتی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اوپر کی جانب سے ایک نور چمکے گا' یہ اپنا سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور رب فرمائے گا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْجَنَّةِ یہی معنی ہیں اس آیت سَلٰمٌ قَوْلًا الخ' کے۔ جنتی صاف طور سے اللہ کو دیکھیں گے اور اللہ انہیں دیکھے گا۔ کسی نعمت کی طرف اس وقت وہ آنکھ بھی نہ اٹھائیں گے یہاں تک کہ حجاب حائل ہو جائے گا اور نور وبرکت ان کے پاس باقی رہ جائے گی' یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن سند کمزور ہے۔ ابن ماجہ میں بھی کتاب السنہ میں یہ روایت موجود ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ جب دوزخیوں اور جنتیوں سے فارغ ہوگا تو ابر کے سایہ میں متوجہ ہوگا' فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے' جنتیوں کو سلام کرے گا اور جنتی جواب دیں گے۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں یہ اللہ کے فرمان سَلٰمٌ قَوْلًا میں موجود ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا' مجھ سے مانگو جو چاہو' یہ کہیں گے پروردگار سب کچھ تو موجود ہے' کیا مانگیں؟ اللہ فرمائے گا' ہاں ٹھیک ہے۔ پھر بھی جو جی میں آئے' طلب کرو' یہ کہیں گے بس تیری رضامندی مطلوب ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' وہ تو میں تمہیں دے چکا اور اسی کی بنا پر تم میرے اس مہمان خانے میں آئے اور میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا' جنتی کہیں گے' پھر اللہ ہم تجھ سے کیا مانگیں؟ تو نے تو ہمیں اتنا دے رکھا ہے کہ اگر تو حکم دے تو ہم میں سے ایک شخص کل انسانوں اور جنوں کی دعوت کر سکتا ہے اور انہیں پیٹ بھر کر کھلا پلا اور پہنا اوڑھا سکتا ہے۔ بلکہ ان کی سب ضروریات پوری کر سکتا ہے اور پھر بھی اس کی ملکیت میں کوئی کمی نہیں آ سکتی۔ اللہ فرمائے گا' ابھی میرے پاس اور زیادتی ہے۔ چنانچہ فرشتے ان کے پاس اللہ کی طرف سے نئے نئے تحفے لائیں گے۔ امام ابن جریرؒ اس روایت کو بہت سی سندوں سے لائے ہیں لیکن یہ روایت غریب ہے' واللہ اعلم۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾

اے گنہگارو! آج تم یکسو ہٹ جاؤ۔ الگ ہو جاؤ ○ اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے یہ قول وقرار نہیں کیا تھا کہ تم شیطان کی تابعداری نہ کرنا' وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اور میری ہی عبادت کرتے رہنا' سیدھی راہ یہی ہے ○ شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا' کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ○

نیک و بد علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائیں گے: ☆☆ (آیت:۵۹-۶۲) فرماتا ہے کہ نیک کاروں سے بدکاروں کو چھانٹ دیا جائے گا' کافروں سے کہہ دیا جائے گا کہ مومنوں سے دور ہو جاؤ' پھر ہم ان میں امتیاز کر دیں گے۔ انہیں الگ الگ کر دیں گے۔ اسی طرح سورۂ یونس میں ہے وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ جس روز قیامت قائم ہو گی' اس روز سب کے سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے دو گروہ بن جائیں گے۔ سورۂ والصافات میں فرمان ہے اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ الخ یعنی ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے' جمع کرو اور انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جنتیوں پر جو طرح طرح کی نوازشیں ہو رہی ہوں گی' اسی طرح جہنمیوں پر طرح طرح کی سختیاں ہو رہی ہوں گی' انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا' وہ تمہارا دشمن ہے؟

لیکن اس پر بھی تم نے مجھ رحمان کی نافرمانی کی اور اس شیطان کی فرمانبرداری کی۔ خالق' مالک' رازق میں اور فرمانبرداری کی جائے میرے راندۂ درگاہ کی؟ میں تو کہہ چکا تھا کہ ایک میری ہی ماننا' صرف مجھ ہی کو پوجنا' مجھ تک پہنچنے کا سیدھا قریب کا اور سچا راستہ یہی ہے لیکن تم الٹے چلے' یہاں بھی الٹے ہی جاؤ' ان نیک بختوں کی اور تمہاری راہ الگ الگ ہے۔ یہ جنتی ہیں۔ تم جہنمی ہو۔ جِبِلاً سے مراد خلق کثیر بہت ساری مخلوق ہے' لغت میں جُبُلاً بھی کہا جاتا ہے اور جبل بھی کہا جاتا ہے' شیطان نے تم میں سے بکثرت لوگوں کو بہکا دیا اور صحیح راہ سے ہٹا دیا' تم میں اتنی بھی عقل نہ تھی کہ تم اس کا فیصلہ کر سکتے کہ رحمان کی مانیں یا شیطان کی؟ اللہ کو پوجیں یا مخلوق کو؟ ابن جریر میں ہے' قیامت کے دن اللہ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہو گا اور بالکل ظاہر ہو گی۔ وہ بھی کہے گی کہ اے انسانو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے' اور میری عبادت کرنا۔ یہ سیدھی راہ ہے۔ اس نے تم میں سے اکثروں کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ۔ اس وقت نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے' ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا' ہر ایک کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج ہی بدلے دیئے جاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۶۳ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۶۴ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ
اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۶۵ وَلَوْ نَشَآءُ
لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى یُبْصِرُوْنَ ۝۶۶
وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا
وَّلَا یَرْجِعُوْنَ ۝۶۷

ع ۱۷/۴

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا ○ اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لئے آج اس میں داخل ہو جاؤ ○ ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے' ان کاموں کی جنہیں وہ کرتے تھے ○ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے۔ پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی دیتا؟ ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی ان کی صورتیں مسخ کر دیتے۔ پھر نہ وہ چل پھر سکتے نہ لوٹ سکتے ○

اعضاء کی گواہی: ☆☆ (آیت:۶۳-۶۷) جہنم بھڑکتی ہوئی اور شعلے مارتی ہوئی' چیختی ہوئی اور چلاتی ہوئی سامنے ہو گی اور کفار سے کہا

جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے‘ جس کا ذکر میرے رسول کیا کرتے تھے‘ جس سے وہ ڈرایا کرتے تھے اور تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ لو اب اپنے اس کفر کا مزہ چکھو۔ **اٹھو اس میں کود پڑو** چنانچہ اور آیت میں ہے یَوْمَ یُدَعُّوْنَ الخ جس دن یہ جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے اور کہا جائے گا‘ یہی وہ دوزخ ہے جس کا انکار کرتے رہے ہو۔ بتاؤ تو یہ جادو ہے؟ یا تم اندھے ہو گئے ہو؟ قیامت والے دن جب یہ کفار اور منافقین اپنے گناہوں کا انکار کریں گے اور اس پر قسمیں کھالیں گے تو اللہ ان کی زبانوں کو بند کر دے گا اور ان کے بدن کے اعضاء سچی سچی گواہی دینا شروع کر دیں گے۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں‘ ہم حضور ؐ کے پاس تھے کہ آپ ؐ یکا یک ہنسے اور اس قدر ہنسے کہ مسوڑھے کھل گئے۔ پھر ہم سے دریافت کرنے لگے کہ جانتے ہو‘ میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا‘ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا‘ بندہ جو اپنے رب سے قیامت کے دن جھگڑا کرے گا اس پر۔ کہے گا کہ باری تعالیٰ کیا تو نے مجھے ظلم سے بچایا نہ تھا؟ اللہ فرمائے گا‘ ہاں‘ تو یہ کہے گا‘ بس پھر میں کسی گواہ کی گواہی اپنے خلاف منظور نہیں کروں گا۔ بس میرا اپنا بدن تو میرا ہے۔ باقی سب میرے دشمن ہیں۔ اللہ فرمائے گا‘ اچھا یونہی سہی۔ تو ہی اپنا گواہ سہی اور میرے بزرگ فرشتے گواہ سہی۔ چنانچہ اسی وقت زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضائے بدن سے فرمایا جائے گا‘ بولو تم خود گواہی دو کہ تم سے اس نے کیا کیا کام لئے؟ وہ صاف کھول کھول کر سچ سچ ایک ایک بات بتا دیں گے۔ پھر اس کی زبان کھول دی جائے گی تو یہ اپنے بدن کے جوڑوں سے کہے گی‘ تمہارا ستیاناس جائے‘ تم ہی میرے دشمن بن بیٹھے‘ میں تو تمہارے ہی بچاؤ کی کوشش کر رہی تھی اور تمہارے ہی فائدے کے لئے حجت بازی کر رہی تھی (نسائی وغیرہ)

نسائی کی ایک اور حدیث میں ہے‘ تمہیں اللہ کے سامنے بلایا جائے گا جبکہ زبان بند ہو گی۔ سب سے پہلے رانوں اور ہتھیلیوں سے سوال ہو گا۔ قیامت کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ پھر تیسرے موقعہ پر اس سے کہا جائے گا کہ تو کیا ہے؟ یہ کہے گا‘ تیرا بندہ ہوں۔ تجھ پر‘ تیرے نبی ؐ پر‘ تیری کتاب پر ایمان لایا تھا۔ روزے‘ نماز‘ زکوٰۃ وغیرہ کا پابند تھا۔ اور بھی بہت سی اپنی نیکیاں بیان کر جائے گا۔ اس وقت اس سے کہا جائے گا‘ اچھا ٹھہر جا۔ ہم گواہ لاتے ہیں۔ یہ سوچتا ہی ہو گا کہ گواہی میں کون پیش کیا جائے گا؟ یکا یک اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ تو گواہی دے‘ اب ران اور ہڈیاں اور گوشت بول پڑے گا اور اس منافق کے سارے نفاق کو اور تمام پوشیدہ اعمال کو کھول کر رکھ دے گا۔ یہ سب اس لئے ہو گا کہ پھر اس کی حجت باقی نہ رہے اور اس کا عذر ٹوٹ جائے۔ چونکہ رب اس پر ناراض تھا‘ اس لئے اس سختی سے باز پرس ہوئی۔

ایک حدیث میں ہے‘ منہ پر مہر لگنے کے بعد سب سے پہلے انسان کی بائیں ران بولے گی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومن کو بلا کر اس کے گناہ اس کے سامنے پیش کر کے فرمائے گا‘ کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ کہے گا‘ ہاں اللہ سب درست ہے۔ بیشک مجھ سے یہ خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ اللہ فرمائے گا‘ اچھا ہم نے سب بخش دیں لیکن یہ گفتگو اس طرح ہو گی کہ کسی ایک کو بھی اس کا مطلق علم نہ ہو گا۔ اس کا ایک گناہ بھی مخلوق میں سے کسی پر ظاہر نہ ہو گا۔ اب اس کی نیکیاں لائی جائیں گی اور انہیں کھول کھول کر ساری مخلوق کے سامنے جتا جتا کر رکھی جائیں گی۔

(اے ستار العیوب‘ اے غفار الذنوب تو ہم گنہگاروں کی پردہ پوشی کر اور ہم مجرموں سے درگزر فرما۔ اللہ اس دن ہمیں رسوا اور ذلیل نہ کر‘ اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لے۔ اے ذرہ نواز اللہ عزوجل! اپنی بے پایاں بخشش کی موسلا دھار بارش کا ایک قطرہ ادھر بھی برسا دے

اور ہمارے تمام گناہوں کو دھو ڈال' پروردگار ایک نظر رحمت ادھر بھی' مالک الملک ہم بھی تیری چشم رحمت کے منتظر ہیں' اے غفور و رحیم اللہ کیا تیرے در سے بھی کوئی سوالی خالی جھولی لے کر نا امید ہو کر آج تک لوٹا ہے؟ رحم کر' رحم کر رحم کر- اے مالک و خالق رحم کر' اپنے انتقام سے بچا' اپنے غصے سے نجات دے' اپنی رحمتوں سے نواز دے' اپنے عذابوں سے چھٹکارا دے' اپنی جنت میں پہنچا دے' اپنے دیدار سے مشرف فرما- آمین آمین آمین) اور کافر و منافق کو بلایا جائے گا' اس کے بداعمال اس کے سامنے رکھے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا' کہو یہ ٹھیک ہے؟ یہ صاف انکار کر جائے گا اور کڑکڑاتی ہوئی قسمیں کھانے لگے گا کہ اللہ تعالیٰ تیرے ان فرشتوں نے جھوٹی تحریر لکھی ہے- میں نے ہرگز یہ گناہ نہیں کئے' فرشتہ کہے گا' ہائیں ہائیں کیا کہہ رہے ہو؟ کیا فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں کام نہیں کیا؟ یہ کہے گا' اللہ تیری عزت کی قسم' محض جھوٹ ہے' میں نے ہرگز نہیں کیا؟ اب اللہ تعالیٰ اس کی زبان بندی کر دے گا' غالباً سب سے پہلے اس کی دائیں ران اس کے خلاف شہادت دے گی' یہی مضمون اس آیت میں بیان ہو رہا ہے-

پھر فرماتا ہے' اگر ہم چاہتے تو انہیں گمراہ کر دیتے اور پھر یہ کبھی ہدایت نہ حاصل کر سکتے - اگر ہم چاہتے' ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے تو یہ یونہی بھٹکتے پھرتے - ادھر ادھر راستے ٹٹولتے - حق کو نہ دیکھ سکتے' نہ صحیح راستے پر پہنچ سکتے اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کے مکانوں میں ہی مسخ کر دیتے' ان کی صورتیں بدل دیتے' انہیں ہلاک کر دیتے' انہیں پتھر کے بنا دیتے' ان کی ٹانگیں توڑ دیتے - پھر تو نہ وہ چل سکتے یعنی آگے کو نہ وہ لوٹ سکتے یعنی پیچھے کو بلکہ بت کی طرح ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے' آگے پیچھے نہ ہو سکتے-

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں' اسے پیدائشی حالت کی طرف پھر لوٹا دیتے ہیں' کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے ؟ ○ نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق' وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے ○ تا کہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے ○

شاعری پیغمبرانہ شان کے منافی: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۰) انسان کی جوانی جوں جوں ڈھلتی جاتی ہے' پیری' ضعیفی' کمزوری اور ناتوانی آتی جاتی ہے' جیسے سورۂ روم کی آیت میں ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ الخ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا- پھر ناتوانی کے بعد طاقت عطا فرمائی - پھر طاقت و قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا کر دیا' وہ جو چاہتا ہے' پیدا کرتا ہے اور وہ خوب جاننے والا پوری قدرت رکھنے والا ہے- اور آیت میں ہے' تم میں سے بعض بہت بڑی عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تا کہ علم کے بعد وہ بے علم ہو جائیں- پس مطلب آیت سے یہ ہے کہ دنیا زوال اور انتقال کی جگہ ہے- یہ پائیدار اور قرار گاہ نہیں' پھر بھی کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے کہ اپنے بچپن' پھر جوانی' پھر بڑھاپے پر غور کریں اور اس سے نتیجہ نکال لیں کہ اس دنیا کے بعد آخرت آنے والی ہے اور اس زندگی کے بعد میں دوبارہ پیدا ہونا ہے-

پھر فرمایا' نہ تو میں نے اپنے پیغمبرؐ کو شاعری سکھائی نہ شاعری اس کے شایان شان' نہ اسے شعر گوئی سے محبت نہ شعر اشعار کی طرف

اس کی طبیعت کا میلان۔ اسی کا ثبوت آپ کی زندگی میں نمایاں طور پر ملتا ہے کہ کسی کا شعر پڑھتے تھے تو صحیح طور پر ادا نہیں ہوتا تھا یا پورا یاد نہیں نکلتا تھا۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں، اولاد عبدالمطلب کا ہر مرد و عورت شعر کہنا جانتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ اس سے کوسوں دور تھے (ابن عساکر) ایک بار اللہ کے پیغمبرؐ نے یہ بیت پڑھا کَفٰی بِالْاِسْلَامِ وَالشَّیْبِ لِلْمَرْءِ نَاھِیًا اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، حضورؐ وہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے کَفٰی الشَّیْبُ وَالْاِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاھِیًا پھر حضرت ابوبکرؓ نے ہی یا حضرت عمرؓ نے فرمایا، سچ مچ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اللہ نے سچ فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ (ابن ابی حاتم) دلائل بیہقی میں ہے کہ آپؐ نے ایک مرتبہ عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے ہی تو یہ شعر کہا ہے؟ اَتَجْعَلُ نَھْبِیْ وَنَھْبَ الْعُبَیْدِ بَیْنَ الْاَقْرَعِ وَعُیَیْنَةَ انہوں نے کہا، حضورؐ دراصل یوں ہے بَیْنَ عُیَیْنَةَ وَالْاَقْرَعِ، آپؐ نے فرمایا، چلو سب برابر ہے۔ مطلب تو فوت نہیں ہوتا؟ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ۔ سہیلی نے روض الانف میں اس تقدیم و تاخیر کی ایک عجیب توجیہ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں حضورؐ نے اقرع کو پہلے اور عیینہ کو بعد میں اس لئے ذکر کیا کہ عیینہ خلافت صدیقی میں مرتد ہو گیا تھا بخلاف اقرع کے کہ وہ ثابت قدم رہا تھا۔ واللہ اعلم۔

مغازی اموی میں ہے کہ بدر کے مقتول کافروں کے درمیان گشت لگاتے ہوئے حضورؐ کی زبان سے نکلا نُفَلِّقُ ھَامًا (آگے کچھ نہ فرما سکے) اس پر جناب ابوبکرؓ نے پورا شعر پڑھ دیا۔

مِنْ رِّجَالٍ اَعِزَّةٍ عَلَیْنَا وَھُمْ کَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

یہ کسی عرب شاعر کا شعر ہے جو حماسہ میں موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے، کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ طرفہ کا یہ شعر بہت پڑھتے تھے۔ وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدْ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے سَتُبْدِلَكَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاھِلًا یعنی زمانہ تجھ پر وہ امور ظاہر کر دے گا جن سے تو بے خبر ہے اور تیرے پاس ایسا شخص خبریں لائے گا جسے تو نے توشہ نہیں دیا۔ حضرت عائشہؓ سے سوال ہوا کہ کیا حضورؐ شعر پڑھتے تھے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ بغض آپؐ کو شعروں سے تھا، ہاں کبھی کبھی بنو قیس والے کا کوئی شعر پڑھتے لیکن اس میں بھی غلطی کرتے۔ تقدیم و تاخیر کر دیا کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے، حضورؐ یوں نہیں ہے تو آپؐ فرماتے، نہ شاعر ہوں نہ شعر گوئی میرے شایان شان (ابن ابی حاتم)

دوسری روایت میں شعر اور آگے پیچھے کا ذکر بھی ہے یعنی وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَالَمْ تُزَوِّدْ کو آپ نے مَنْ لَّمْ تُزَوِّدْ بِالْاَخْبَارِ پڑھا تھا۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ پورا شعر کبھی آپؐ نے نہیں پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک مصرعہ پڑھ لیتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھے۔ سو یاد رہے کہ آپؐ کا یہ پڑھنا صحابہؓ کے ساتھ تھا۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَوْ لَآ اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّا قَیْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

حضورؐ لفظ ابینا کو کھینچ کر پڑھتے اور سارے ہی بلند آواز سے پڑھتے ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے، کوئی غم نہیں۔ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے نہ صدقے دیتے اور نہ نمازیں پڑھتے۔ اب تو ہم پر تسکین نازل فرما۔ جب دشمنوں سے لڑائی چھڑ جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما، یہی لوگ ہم پر سرکشی کرتے ہیں۔ ہاں جب کبھی فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح ثابت ہے کہ حنین والے دن آپؐ نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرح بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

اس کی بابت یہ یاد رہے کہ اتفاقیہ ایک کلام آپ کی زبان سے نکل گیا جو وزن شعر پر اترا۔ نہ کہ قصداً آپ نے شعر کہا۔ حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں، ہم حضورؐ کے ساتھ ایک غار میں تھے۔ آپ کی انگلی زخمی ہوگئی تھی تو آپؐ نے فرمایا۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَالَقِیْتِ

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے۔ اور تو راہ اللہ میں خون آلود ہوئی ہے۔ یہ بھی اتفاقیہ ہے۔ قصداً نہیں۔ اسی طرح ایک حدیث الا الممم کی تفسیر میں آئے گی کہ آپؐ نے فرمایا۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَیُّ عَبْدٍلَّكَ مَا اَلَمَّا

یعنی اے اللہ تو جب بخشے تو ہمارے سبھی کے سب گناہ بخش دے، ورنہ یوں تو تیرا کوئی بندہ نہیں جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بھی پاک ہو۔ پس یہ سب کے سب اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ اللہ کی تعلیم آپ کو شعر گوئی کی نہ تھی۔ بلکہ رب العالمین نے تو آپؐ کو قرآن عظیم کی تعلیم دی تھی جس کے پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا۔ قرآن حکیم کی یہ پاک نظم شاعری سے منزلوں دور تھی۔ اسی طرح کہانت سے اور گھڑ لینے سے اور جادو کے کلمات سے جیسے کہ کفار کے مختلف گروہ مختلف بولیاں بولتے تھے، آپؐ کی تو طبیعت ان لسانی صنعتوں سے معصوم تھی۔ ﷺ۔ ابوداؤد میں ہے، حضورؐ نے فرمایا، میرے نزدیک یہ تینوں باتیں برابر ہیں، تریاق کا پینا، گنڈے کا لٹکانا اور شعر بنانا۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں، شعر گوئی سے آپؐ کو طبعاً نفرت تھی۔ دعا میں آپ کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اس کے سوا چھوڑ دیتے تھے (احمد)

ابوداؤد میں ہے، کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس کے لئے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے (ابوداؤد) مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے، جس نے عشاء کی نماز کے بعد کسی شعر کا ایک مصرع بھی باندھا، اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے۔ یہ یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں، مشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہؓ نے کفار کی ہجو میں اشعار کہے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ بعض اشعار نصیحت، ادب اور حکمتوں کے ہوتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانے کے شعراء کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ امیہ بن صلت کے اشعار کی بابت فرمان رسولؐ ہے کہ اس کے شعر تو ایمان لا چکے ہیں لیکن اس کا دل کافر ہی رہا۔ ایک صحابیؓ نے آپ کو امیہ کے ایک سو بیت سنائے۔ ہر بیت کے بعد آپؐ فرماتے تھے اور کہو۔ ابوداؤد میں، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بعض بیان مثل جادو کے ہیں اور بعض شعر سراسر حکمت والے ہیں۔

پس فرمان ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں سکھایا ہے، وہ سراسر ذکر و نصیحت اور واضح، صاف اور روشن قرآن ہے، جو شخص ذرا سا بھی غور کرے اس پر یہ کھل جاتا ہے۔ تاکہ روئے زمین پر جتنے لوگ موجود ہیں، یہ ان سب کو آگاہ کر دے اور ڈرا دے جیسے فرمایا لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈرا دوں اور جسے بھی یہ پہنچ جائے۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ یعنی جماعتوں میں سے جو بھی اسے نہ مانے، وہ سزاوار دوزخ ہے۔ ہاں اس قرآن سے اور نبیؐ کے فرمان سے اثر وہی لیتا ہے جو زندہ دل اور اندرونی نور والا ہو۔ عقل و بصیرت رکھتا ہو اور عذاب کا قول تو کافروں پر ثابت ہے ہی۔ پس قرآن مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں پر اتمام حجت ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے جانور بھی پیدا کر دیئے ہیں جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔ اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنا دیا ہے جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں ○ انہیں ان سے اور بھی بہت سے فوائد ہیں خصوصاً (دودھ کا) پینا' کیا پھر بھی یہ شکر گذاری نہیں کریں گے؟ ○

چوپائیوں کے فوائد: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۳) اللہ تعالیٰ اپنے انعام و احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے خود ہی یہ چوپائے پیدا کئے اور انسان کی ملکیت میں دے دیئے' ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی نکیل تھام لے۔ اونٹ جیسا قوی اور بڑا جانور اس کے ساتھ ساتھ ہی سو اونٹوں کی ایک قطار ہو' ایک بچے کے ہانکنے سے سیدھی چلتی رہتی ہے۔

اس ماتحتی کے علاوہ بعض لمبے لمبے مشقت والے سفر با آسانی جلدی جلدی طے ہوتے ہیں۔ خود سوار ہوتے ہیں۔ اسباب لادتے ہیں۔ بوجھ ڈھونے کے کام آتے ہیں اور بعض کے گوشت کھائے جاتے ہیں' پھر صوف اور ان کے بالوں کھالوں وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دودھ پیتے ہیں' بطور علاج پیشاب کام میں آتے ہیں' اور بھی طرح طرح کے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں' کیا پھر ان کو نہ چاہیے کہ ان نعمتوں کے منعم حقیقی' ان احسانوں کے محسن' ان چیزوں کے خالق' ان کے حقیقی مالک کا شکر بجالائیں؟ صرف اسی کی عبادت کریں؟ اس کی توحید کو مانیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾

اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں اس خیال سے کہ ان کی مدد کی جائے ○ یقیناً ان میں ان کی مدد کی طاقت ہی نہیں لیکن پھر بھی مشرکین ان کے لئے حاضر باش لشکری ہیں ○ پس تجھے ان کی بات غمناک نہ کرے' ہم ان کی پوشیدہ اور اعلانیہ سب باتوں کو بخوبی جانتے ہیں ○ کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر بھی یہ تو صریح جھگڑالو بن بیٹھا اور ہمیں کو باتیں مارنے لگا اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا' ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ ○

نفع و نقصان کا اختیار کس کے پاس ہے؟ ☆☆ (آیت: ۷۴-۷۶) مشرکین کے اس باطل عقیدے کی تردید ہو رہی ہے جو وہ سمجھتے

تھے کہ جن جن کی سوائے اللہ تعالیٰ کے یہ عبادت کرتے ہیں' وہ ان کی امداد ونصرت کریں گے' ان کی روزیوں میں برکت دیں گے اور اللہ سے ملا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان کی مدد کرنے سے عاجز ہیں اوران کی مدد تو کجا' وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے بلکہ یہ بت تو اپنے دشمن کے نقصان سے بھی اپنے تئیں بچا نہیں سکتے ۔کوئی آئے اور انہیں توڑ مروڑ کر بھی چلا جائے تو یہ اس کا کچھ نہیں کر سکتے بلکہ بول چال پر بھی قادر نہیں' سمجھ بوجھ نہیں ۔ یہ بت قیامت کے دن جمع شدہ حساب کے وقت اپنے عابدوں کے سامنے لاچاری اور بے کسی کے ساتھ موجود ہوں گے تاکہ مشرکین کی پوری ذلت وخواری ہو اوران پر حجت تمام ہو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ بت تو ان کی کسی طرح کی امداد نہیں کر سکتے' لیکن پھر بھی یہ بے سمجھ مشرکین ان کے سامنے اس طرح موجود رہتے ہیں جیسے کوئی حاضر باش لشکر ہو' وہ نہ انہیں کوئی نفع پہنچا سکیں نہ کسی نقصان کو دفع کر سکیں لیکن یہ ہیں کہ ان کے نام پر مرے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے خلاف آواز سننا نہیں چاہتے' غصے سے بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اے نبیؐ ان کی کفر کی باتوں سے آپ غمناک نہ ہوں۔ ہم پر ان کا ظاہر و باطن روشن ہے۔ وقت آ رہا ہے' گن گن کر ہم انہیں سزائیں دیں گے۔

موت کے بعد زندگی: ☆☆ (آیت: ۷۷-۷۸) ابی بن خلف ملعون ایک مرتبہ اپنے ہاتھ میں ایک بوسیدہ کھوکھلی سڑی گلی ہڈی لے کر آیا اور اسے اپنی چٹکی میں ملتے ہوئے جبکہ اس کے ریزے ہوا میں اڑ رہے تھے' حضورؐ سے کہنے لگا' آپ کہتے ہیں کہ ان ہڈیوں کو اللہ زندہ کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں ہاں اللہ تجھے ہلاک کر دے گا' پھر زندہ کر دے گا' پھر تیرا حشر جہنم کی طرف ہو گا۔ اس پر اس سورت کی یہ آخری آیتیں نازل ہوئیں۔ اور روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا عاص بن وائل تھا اور اس آیت سے لے کر ختم سورت تک کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ عبداللہ بن ابی سے ہوا تھا۔ لیکن یہ ذرا غور طلب ہے اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ بن ابی تو مدینہ میں تھا۔ بہر صورت خواہ ابی کے سوال پر یہ آیتیں اتری ہوں یا عاص کے سوال پر' ہیں عام۔ لفظ انسان پر جو الف لام ہے' وہ جنس کا ہے۔ جو بھی دوسری زندگی کا منکر ہو' اسے یہی جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے شروع پیدائش پر غور کریں۔ جس نے ایک حقیر وذلیل قطرے سے انسان کو پیدا کر دیا حالانکہ اس سے پہلے وہ کچھ نہ تھا۔ پھر اس کی قدرت پر حرف رکھنے کے کیا معنی؟ اس مضمون کو بہت سی آیتوں میں بیان فرمایا ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ اور جیسے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ الخ وغیرہ۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا۔ پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم' کیا تو مجھے بھی عاجز کر سکتا ہے؟ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا۔ پھر جب ٹھیک ٹھاک درست اور چست کر دیا اور تو ذرا کس بل والا ہو گیا تو تو نے مال جمع کرنا اور مسکینوں کو دینے سے روکنا شروع کر دیا' ہاں جب دم نرخرے میں اٹکا تو کہنے لگا' اب میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں' بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ الغرض نطفے سے پیدا کیا ہوا انسان حجت بازیاں کرنے لگا اور اپنا دوبارہ جی اٹھنا محال جاننے لگا۔ اس اللہ کی قدرت سے نظریں ہٹا لیں جس نے آسمان وزمین کو اور تمام مخلوق کو پیدا کر دیا۔ یہ اگر غور کرتا تو اس عظیم الشان مخلوق کی پیدائش کے علاوہ خود اپنی پیدائش کو بھی دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کا ایک نشان عظیم پاتا۔ لیکن اس نے تو عقل کی آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝ۙ۷۹

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰

تو جواب دے کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے' جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے ○ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم آگ سلگاتے ہو ○

(آیت: ۷۹-۸۰) اس کے جواب میں کہہ دو کہ اول مرتبہ ان ہڈیوں کو جو اب گلی سڑی ہیں جس نے پیدا کیا ہے' وہی دوبارہ انہیں پیدا کرے گا۔ جہاں جہاں بھی یہ ہڈیاں ہوں' وہ خوب جانتا ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ سے عقبہ بن عمرو نے کہا' آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنایئے تو آپؓ نے فرمایا' حضورؐ نے فرمایا کہ ایک شخص پر جب موت کی حالت طاری ہوئی تو اس نے اپنے وارثوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا کر خاک کر دینا۔ پھر اسے سمندر میں بہا دینا' چنانچہ انہوں نے یہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کو جمع کر کے جب اسے دوبارہ زندہ کیا تو اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے ڈر سے' اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں' حضورؐ نے راہ چلتے چلتے یہ حدیث بیان فرمائی جسے میں نے خود آپؐ کی زبان سے اپنے کانوں سے سنی۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی بہت سے الفاظ سے مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا تھا' میری راکھ کو ہوا کے رخ اڑا دینا۔ کچھ تو ہوا میں' کچھ دریا میں بہا دینا۔ سمندر نے بحکم الٰہی جو راکھ اس میں تھی' اسے جمع کر دیا' اسی طرح ہوا نے بھی۔ پھر اللہ کے فرمان سے وہ کھڑا کر دیا گیا۔ پھر اپنی قدرت کے مشاہدے کے لئے اور بات کی دلیل قائم کرنے کے لئے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے' وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے' ہیئت کو وہ منقلب کر سکتا ہے' فرمایا کہ تم غور کرو کہ پانی میں درخت اگائے' سرسبز' شاداب ہرے بھرے پھل والے ہوئے' پھر وہ سوکھ گئے اور ان لکڑیوں سے میں نے آگ نکالی' کہاں وہ تری اور ٹھنڈک' کہاں یہ خشکی اور گرمی؟ پس مجھے کوئی چیز کرنی بھاری نہیں' تر کو خشک کرنا' خشک کو تر کرنا' زندہ کو مردہ کرنا' مردے کو زندگی دینا سب میرے بس کی بات ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو حجاز میں ہوتے ہیں۔ ان کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے چقماق کی طرح آگ نکلتی ہے۔ چنانچہ عرب میں ایک مشہور مثل ہے کہ لِکُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ حکماء کا قول ہے کہ سوائے انگور کے درخت کے ہر درخت میں آگ ہے۔

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۶

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا' بینا ہے ○ وہ جب کبھی جس کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے' اسے اتنا فرما دینا کافی ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے ○ پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ ہر چیز پر قادر: ☆☆ (آیت: ۸۱-۸۳) اللہ تعالیٰ اپنی زبردست قدرت بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمانوں کو اور ان کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔ زمین کو اور اس کے اندر کی سب چیزوں کو بھی اسی نے بنایا۔ پھر اتنی بڑی قدرتوں والا انسانوں جیسی چھوٹی مخلوق کو پیدا

کرنے سے عاجز آ جائے' یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے' جیسے فرمایا لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یعنی آسمان و زمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی اور اہم ہے' یہاں بھی فرمایا کہ وہ اللہ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کر دیا' وہ کیا انسانوں جیسی کمزور مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آ جائے گا؟ اور جب وہ قادر ہے تو یقیناً انہیں مار ڈالنے کے بعد پھر وہ انہیں جلا دے گا۔ جس نے ابتداً پیدا کیا ہے' اس پر اعادہ بہت آسان ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو بنا دیا اور ان کی پیدائش سے عاجز نہ آیا نہ تھکا' کیا وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے بلکہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی پیدا کرنے والا اور بنانے والا' ایجاد کرنے والا اور خالق ہے۔ ساتھ ہی دانا' بینا اور رتی رتی سے واقف ہے۔ وہ تو جو کرنا چاہتا ہے' اس کا صرف حکم دے دینا کافی ہوتا ہے۔ مسند کی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے' اے میرے بندو' تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں معاف کر دوں گا۔ تم مجھ سے معافی طلب کرو' میرا وعدہ ہے کہ معاف کر دوں گا۔ تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کر دوں۔ میں جواد ہوں' میں ماجد ہوں' میں واجد ہوں۔ جو چاہتا ہوں' کرتا ہوں۔ میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام ہے۔ میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں' کہہ دیتا ہوں کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ ہر برائی سے اس حی و قیوم اللہ کی ذات پاک ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے' جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں۔ وہ سب کا خالق ہے' وہی اصلی حاکم ہے' اسی کی طرف قیامت کے دن سب لوٹائے جائیں گے اور وہی عادل و منعم اللہ انہیں سزا جزا دے گا اور جگہ فرمان ہے' پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے۔ اور آیت میں ہے' کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ اور فرمان ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ پس ملک وملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسے رحمت و رحموت اور رہبت و رہبوت اور جبر و جبروت۔ بعض نے کہا ہے کہ ملک سے مراد جسموں کا عالم اور ملکوت سے مراد روحوں کا عالم ہے۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ایک رات میں تہجد کی نماز میں اللہ کے رسول ﷺ کی اقتدا میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے سات لمبی سورتیں (یعنی پونے دس پارے) سات رکعت میں پڑھیں سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رکوع سے سر اٹھا کر آپؐ یہ پڑھتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ پھر آپؐ کا رکوع قیام کے مناسب ہی لمبا تھا اور سجدہ بھی مثل رکوع کے تھا۔ میری تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ ٹانگیں ٹوٹنے لگیں (ابوداؤد وغیرہ) انہی حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو آپ نے رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپؐ نے یہ دعا پڑھ کر پھر قراءت شروع کی اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذِی الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ پھر پوری سورۂ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا اور رکوع میں بھی قریب قریب اتنی ہی دیر ٹھہرے رہے اور سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے۔ پھر اپنا سر رکوع سے اٹھایا اور تقریباً اتنی ہی دیر کھڑے رہے اور لربی الحمد پڑھتے رہے۔ پھر سجدے میں گئے' وہ بھی تقریباً قیام کے برابر تھا اور سجدے میں حضور ﷺ سبحان ربی الاعلی پڑھتے رہے۔ پھر سجدے سے سر اٹھایا' آپؐ کی عادت مبارک تھی کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی اتنی دیر بیٹھے رہتے تھے جتنی دیر سجدوں میں لگاتے تھے اور رب اغفرلی رب اغفرلی پڑھتے رہے۔ چار رکعت آپؐ نے ادا کیں' سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی تلاوت کی۔

حضرت شعبہؒ کو شک ہے کہ سورۂ مائدہ کہا یا سورۂ انعام؟ نسائی وغیرہ میں ہے' حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضرتؐ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی۔ آپؐ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی' ہر اس آیت پر جس میں رحمت کا ذکر ہوتا' آپؐ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے' اور ہر اس آیت پر جس میں عذاب کا ذکر ہوتا' آپؐ ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب

کرتے - پھر آپ نے رکوع کیا - وہ بھی قیام سے کچھ کم نہ تھا اور رکوع میں یہ فرماتے تھے سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ پھر آپ نے سجدہ کیا' وہ بھی قیام کے قریب قریب تھا اور سجدے میں بھی یہی پڑھتے رہے - پھر دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی - پھر اسی طرح ایک ایک سورت ایک ایک رکعت میں پڑھتے رہے -

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور لطف ورحم سے سورۂ یاسین کی تفسیر ختم ہوئی -

تفسیر سورة الصٰفٰت

(تفسیر سورہ صافات) نسائی شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ہلکی نماز پڑھنے کا حکم فرماتے تھے اور آپ ہمیں سورۂ والصافات سے نماز پڑھاتے تھے -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾
اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾

بخشش اور مہربانیوں والے اللہ کے نام سے شروع

قسم ہے صف باندھے والے فرشتوں کی ○ پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی ○ پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی ○ یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے ○ آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے ○

فرشتوں کا تذکرہ: ☆☆ (آیت:۱-۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' ان تینوں قسموں سے مراد فرشتے ہیں - اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے - حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' فرشتوں کی صفیں آسمانوں پر ہیں - مسلم میں حضورؐ فرماتے ہیں' ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے - ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں - ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے اور پانی کے نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لئے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے - مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے ہم سے فرمایا' تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں - ہم نے کہا وہ کس طرح؟ آپؐ نے فرمایا' اگلی صفوں کو وہ پورا کرتے جاتے ہیں اور صفیں بالکل ملالیا کرتے ہیں - ڈانٹنے والوں سے مراد سدیؒ وغیرہ کے نزدیک ابر اور بادل کو ڈانٹ کر احکام دے کر ادھر سے ادھر لے جانے والے فرشتے ہیں -

ربیع بن انسؒ وغیرہ فرماتے ہیں' قرآن جس چیز سے روکتا ہے' وہ اسی سے بندش کرتے ہیں - ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والے فرشتے وہ ہیں جو اللہ کا پیغام بندوں کے پاس لاتے ہیں جیسے فرمان ہے فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا یعنی وحی اتارنے والے فرشتوں کی قسم جو عذر کو ٹالنے یا آگاہ کرنے کے لئے ہوتی ہے - ان قسموں کے بعد جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی ہیں' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ تم سب کا معبود برحق ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے - وہی آسمان و زمین کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک و متصرف ہے - اسی نے آسمان میں ستارے اور چاند سورج کو مسخر کر رکھا ہے' جو مشرق سے ظاہر ہوتے ہیں' مغرب میں غروب ہوتے ہیں - مشرقوں کا ذکر کر کے مغربوں کا ذکر اس

کی دلالت موجود ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا - دوسری آیت میں ذکر کر بھی دیا ہے فرمان ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ یعنی جاڑے گرمیوں کی طلوع وغروب کی جگہ کا رب وہی ہے-

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ﴿٧﴾ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿٩﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے بارونق بنا دیا ہے ○ اور ہم نے ہی اس کی نگہبانی کی ہے ہر شریر شیطان سے ○ عالم بالا کے فرشتوں کی باتوں کو سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے بلکہ چوطرف سے ان پر شعلہ باری کی جاتی ہے ان کے ہنکانے کے لئے ○ اور ان کے لئے دائمی عذاب ہیں ○ ہاں جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو فوراً ہی اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے ○

شیاطین اور کاہن: ☆☆ (آیت:۶-۱۰) آسمان دنیا کو دیکھنے والے کی نگاہوں میں جو زینت دی گئی ہے اس کا بیان فرمایا - یہ اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بدلیت کے ساتھ بھی - معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں - اس کے ستاروں کی اس کے سورج کی روشنی زمین کو جگمگا دیتی ہے جیسے اور آیت میں ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا الخ ہم نے آسمان دنیا کو زینت دی ستاروں کے ساتھ - اور انہیں شیطانوں کے لئے شیطانوں کے رجم کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے آگ سے جلا دینے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں -

اور آیت میں ہے ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کی آنکھوں میں کھب جانے والی چیز بنائی - اور ہر شیطان رجیم سے اسے محفوظ رکھا - جو کوئی کسی بات کو لے اڑنا چاہتا ہے وہیں ایک تیز شعلہ اس کی طرف اترتا ہے - اور ہم نے آسمانوں کی حفاظت کی ہر سرکش شریر شیطان سے اس کا بس نہیں کہ فرشتوں کی باتیں سنے وہ جب یہ کرتا ہے تو ایک شعلہ لپکتا ہے اور اسے جلا جاتا ہے - یہ آسمانوں تک پہنچ ہی نہیں سکتے - اللہ کی شریعت تقدیر کے امور کی کسی گفتگو کو وہ سن ہی نہیں سکتے - اس بارے کی حدیثیں ہم نے آیت حَتّٰی إِذَا فُزِّعَ الخ کی تفسیر میں بیان کر دی ہیں جدھر سے بھی یہ آسمان پر چڑھنا چاہتے ہیں وہیں سے ان پر آتش باری کی جاتی ہے - انہیں ہنکانے پست و ذلیل کرنے روکنے اور نہ آنے دینے کے لئے یہ سزا بیان کی ہے اور آخرت کے دائمی عذاب ابھی باقی ہیں جو بڑے المناک دردناک اور ہمیشگی والے ہوں گے - ہاں کبھی کسی جن نے کوئی کلمہ کسی فرشتے کی زبان سے سن لیا اور اسے اس نے اپنے نیچے والے سے کہہ دیا اور اس نے اپنے نیچے والے سے وہیں اس کے پیچھے ایک شعلہ لپکتا ہے کبھی تو وہ دوسرے کو پہنچائے اس سے پہلے ہی شعلہ اسے جلا ڈالتا ہے کبھی وہ دوسرے کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے - یہی وہ باتیں ہیں جو کاہنوں کے کانوں تک شیاطین کے ذریعہ پہنچ جاتی ہیں -

ثاقب سے مراد سخت تیز بہت زیادہ روشنی والا ہے - حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شیاطین پہلے جا کر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے - اس وقت ان پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے - یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آ کر ایک ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے جب حضورؐ کو نبوت ملی پھر شیطانوں کا آسمان پر جانا موقوف ہوا اب یہ جاتے ہیں تو ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں اور انہیں جلا دیا جاتا ہے انہوں نے اس نو پیدا امر کی خبر جب ابلیس ملعون کو دی تو اس نے کہا کہ کسی اہم نئے کام کی وجہ

سے اس قدر احتیاط وحفاظت کی گئی ہے چنانچہ خبر رسانوں کی جماعتیں اس نے روئے زمین پھیلا دیں' جو جماعت حجاز کی طرف گئی تھی' اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز ادا کر رہے ہیں- اس نے جا کر ابلیس کو یہ خبر دی- اس نے کہا' بس یہی وجہ ہے تمہارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا- اس کی پوری تحقیق اللہ نے چاہا تو آیت وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ الخ کی تفسیر میں آئے گی-

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے انسانوں کو تو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے ○ بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخراپن کر رہے ہیں- اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے' یہ نہیں مانتے ○ اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں ○ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے ○ کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے' پھر کیا سچ مچ ہم زندہ کئے جائیں گے؟ ○ یا ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی؟ ○ تو جواب دے کہ ہاں ہاں اور تم ذلیل ہو گے ○ وہ تو صرف ایک زور کا نعرہ ہے کہ یکا یک یہ دیکھنے لگیں گے ○

اللہ کے لئے دوبارہ پیدا کرنا دشوار نہیں : ☆☆ (آیت:۱۱-۱۹) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ ان منکرین قیامت سے پوچھو کہ تمہارا پیدا کرنا ہم پر مشکل ہے یا آسمان وزمین' فرشتے جن وغیرہ کا- ابن مسعودؓ کی قراءت اَمْ مَّنْ عَدَدْنَا ہے- مطلب یہ ہے کہ اس کا اقرار تو انہیں بھی ہے- پھر مر کر جینے کا انکار کیوں کر رہے ہیں؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بڑی اور بہت بھاری پیدائش آسمان وزمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے علمی برتتے ہیں- پھر انسان کی پیدائشی کمزوری بیان فرماتا ہے کہ یہ چکنی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے جس میں لیس تھا جو ہاتھوں کو چپکتی تھی- تو چونکہ حقیقت کو پہنچ گیا ہے' ان کے انکار پر تعجب کر رہا ہے کیونکہ اللہ کی قدرتیں تیرے سامنے ہیں اور اس کے فرمان بھی- لیکن یہ تو اسے سن کر ہنسی اڑاتے ہیں اور جب کبھی کوئی واضح دلیل سامنے آ جاتی ہے تو مسخراپن کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے- ہم کسی طرح اسے نہیں مانتے کہ مر کر مٹی ہو کر پھر جی اٹھیں بلکہ ہمارے باپ دادا بھی دوسری زندگی میں آ جائیں' ہم تو اس کے قائل نہیں- اے نبیؐ تم ان سے کہہ دو کہ ہاں تم یقیناً دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے- تم ہو کیا چیز' اللہ کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہو' اس کی وہ ذات ہے کہ کسی کی اس کے سامنے کوئی ہستی نہیں- فرماتا ہے کُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ہر شخص اس کے سامنے عاجزی اور لاچاری سے حاضر ہونے والا ہے- ایک آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ میری عبادت سے سرکشی کرنے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے- پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جسے تم مشکل سمجھتے ہو' وہ مجھ پر تو بالکل ہی آسان ہے- صرف ایک آواز لگتے ہی ہر ایک زمین سے نکل کر دہشت ناک کے ساتھ اہوال واحوال قیامت کو دیکھنے لگے گا- واللہ اعلم-

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا
تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزا سزا کا دن ہے ○ یہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے ○ ظالموں کو اور ان کے ہمراہیوں کو اور جن جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ○ ان سب کو جمع کر کے انہیں دوزخ کی راہ دکھا دو ○ اور انہیں ٹھہرا لو اس لئے کہ ان سے ضروری سوال کئے جانے والے ہیں ○ کیا وجہ ہے کہ اس وقت ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ○ بلکہ وہ سب کے سب آج فرمانبردار بن گئے ○

قیامت کے دن کفار کا پچھتانا: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۶) قیامت والے دن کفار کا اپنے تئیں ملامت کرنا اور پچھتانا اور افسوس وحسرت کرنا بیان ہو رہا ہے کہ وہ نادم ہو کر قیامت کے دہشت خیز اور وحشت انگیز امور کو دیکھ کر کہیں گے ہائے ہائے! یہی تو روز جزا ہے۔ تو مومن اور فرشتے بطور ڈانٹ ڈپٹ اور ندامت بڑھانے کے ان سے کہیں گے' ہاں یہی تو وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم سچا نہیں مانتے تھے۔ اس دن اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ظالموں کو' ان کے جوڑوں کو' ان کے بھائی بندوں کو اور ان جیسوں کو ایک جگہ جمع کرو۔ مثلاً زانی زانیوں کے ساتھ' سود خوار سود خواروں کے ساتھ' شرابی شرابیوں کے ساتھ وغیرہ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ظالموں کو اور ان کی عورتوں کو' لیکن یہ غریب ہے۔ ٹھیک مطلب یہی ہے کہ انہی جیسوں کو' اور ان کے ساتھ ہی جن بتوں کو اور جن جن کو شریک الٰہی مقرر کئے ہوئے تھے' سب کو جمع کرو۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جیسے فرمان ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ الخ یعنی انہیں ان کے منہ کے بل اندھے بہرے گونگے کر کے ہم جمع کریں گے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جس کی آگ جب کبھی ہلکی ہو جائے' ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔ انہیں جہنم کے پاس کچھ دیر ٹھہرا دو تا کہ ہم ان سے پوچھ گچھ کر لیں۔

ان سے حساب لے لیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضور فرماتے ہیں' جو شخص کسی کو کسی چیز کی طرف بلائے' وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ نہ بیوفائی ہوگی نہ جدائی ہوگی گو ایک کو ہی بلایا ہو' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت عثمان بن زائدہ فرماتے ہیں' سب سے پہلے انسان سے اس کے ساتھیوں کی بابت سوال کیا جائے گا۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ آج ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ تم تو دنیا میں کہتے پھرتے تھے کہ ہم سب ایک ساتھ ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ تو کہاں؟ بلکہ آج تو یہ ہتھیار ڈال چکے' اللہ کے فرمانبردار بن گئے۔ نہ اللہ کے کسی فرمان کا خلاف کریں نہ کر سکیں' نہ اس سے بچ سکیں نہ وہاں سے بھاگ سکیں۔ واللہ اعلم۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ
لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ

عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿۳۱﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿۳۲﴾
فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۳﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ
يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ
جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۷﴾

وہ ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے ○ کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے ○ وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے ○ کچھ ہماری زور زوری تو تم پر تھی ہی نہیں' بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے ○ اب تو ہم سب پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم عذاب چکھنے والے ہیں ○ ہم نے تمہیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے ○ اب آج کے دن تو یہ سب کے سب عذاب میں شریک ہیں - ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے ○ اور کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دینے والے ہیں؟ ○ نہیں نہیں بلکہ نبی تو برحق دین لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں ○

دوزخیوں کا اپنے بزرگوں سے شکوہ: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۷) کافر لوگ جس طرح جہنم کے طبقوں میں جلتے ہوئے آپس میں جھگڑے کریں گے' اسی طرح قیامت کے میدان میں وہ ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے - کمزور لوگ زور آوروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع فرمان تھے - کیا آج ہمیں تم تھوڑے بہت عذابوں سے بچا لو گے؟ وہ کہیں گے کہ ہم تو خود تمہارے ساتھ ہی اسی جہنم میں جل رہے ہیں - اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے فرما چکا - جیسے اور جگہ ان کی یہ بات چیت اس طرح منقول ہے کہ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار بن جاتے - وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا؟ نہیں بلکہ تم تو خود ہی بدکار تھے - یہ کہیں گے بلکہ دن رات کا مکر جبکہ تم ہمیں حکم کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک مقرر کریں - عذاب کو دیکھتے ہی یہ سب کے سب بے طرح نادم و پشیمان ہوں گے لیکن اپنی ندامت کو چھپائیں گے - ان تمام کفار کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے - ہاں یہ یقینی بات ہے کہ ہر ایک کو صرف اس کی کرنی بھرنی پڑے گی - پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہماری دائیں جانب سے آتے تھے یعنی چونکہ ہم کمزور کم حیثیت تھے اور تمہیں ہم پر ترجیح تھی' اس لئے تم ہمیں دبا دبا کر حق سے ناحق کی طرف پھیر دیتے تھے' یہ کافروں کا مقولہ ہو گا جو وہ شیطانوں سے کہیں گے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان یہ بات جنات سے کہیں گے کہ تم ہمیں بھلائی سے روک کر برائی پر آمادہ کرتے تھے' گناہ کو مزین اور شیریں دکھاتے تھے اور نیکی کو بری اور مشکل جتاتے تھے' حق سے روکتے تھے - باطل پر جما دیتے تھے - جب کبھی نیکی کا خیال ہمارے دل میں آتا تھا' تم کسی نہ کسی فریب سے اس سے روک دیتے تھے - اسلام' ایمان' خیر و خوبی' نیکی اور سعادت مندی سے تم نے ہمیں محروم کر دیا - توحید سے دور ڈال دیا - ہم تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھتے رہے' راز دار بنائے رہے' تمہاری باتیں مانتے رہے' تمہیں بھلا آدمی سمجھتے رہے - اس کے جواب میں جنات اور انسان جتنے بھی سردار ذی عزت اور بڑے لوگ تھے' ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں - تم تو خود ہی ایسے ہی تھے - تمہارے دل ایمان سے بھاگتے تھے اور کفر کی طرف دوڑ کر جاتے تھے - ہم نے تمہیں جس چیز کی طرف بلایا' وہ کوئی حق ثابت نہ تھی نہ اس کی بھلائی پر کوئی دلیل تھی لیکن چونکہ تم طبعاً برائی کی طرف مائل تھے' خود تمہارے دلوں میں سرکشی اور برائی تھی' اس لئے تم نے ہمارا کہا مان لیا - اب تو ہم سب پر اللہ کا

قول ثابت ہو گیا کہ ہم یقیناً عذابوں کا مزہ چکھنے والے ہیں- یہ بڑے لوگ چھوٹوں سے' یہ متبوع لوگ اپنے تابعداروں سے کہیں گے کہ ہم تو خود ہی بہکے ہوتے تھے- ہم نے تمہیں بھی اپنی ضلالت کی طرف بلایا- تم دوڑے ہوئے آ گئے- بتاؤ تم نے ہماری بات مان لی؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے' پس آج کے دن سب لوگ جہنم کے عذابوں میں شریک ہیں- ہر ایک اپنے اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے- مجرموں کے ساتھ ہم اسی طرح کیا کرتے ہیں- یہ مومنوں کی طرح اللہ کی توحید کے قائل نہ تھے بلکہ توحید کی آواز سے تکبر و نفرت کرتے تھے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ لیں- جو اسے کہہ لے' اس نے اپنا مال اور اپنی جان بچالی مگر اسلامی فرمان سے- اور اس کا باطنی حساب اللہ کے ذمے ہے- اللہ کی کتاب میں بھی یہی مضمون ہے- اور ایک متکبر قوم کا ذکر ہے کہ وہ اس کلمہ سے روگردانی کرتے تھے-

ابن ابی حاتم میں ابو العلاءؒ سے مروی ہے کہ یہودیوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اللہ کی اور عزیر کی- ان سے کہا جائے گا' اچھا بائیں طرف آ ؤ- پھر نصرانیوں سے یہی سوال ہوگا- وہ کہیں گے اللہ کی اور مسیح کی- تو ان سے بھی یہی کہا جائے گا- پھر مشرکین کو لایا جائے گا اور ان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جائے گا تو وہ تکبر کریں گے- تین مرتبہ ایسا ہی ہوگا- پھر حکم ہوگا' انہیں بھی بائیں طرف لے چلو- فرشتے انہیں پرندوں سے بھی جلدی پہنچا دیں گے- پھر مسلمانوں کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے؟ یہ کہیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی- تو ان سے کہا جائے گا' کیا تم اسے دیکھ کر پہچان سکتے ہو؟ یہ کہیں گے ہاں- پوچھا جائے گا تم کیسے پہچان لو گے؟ حالانکہ تم نے کبھی اسے دیکھا نہیں- یہ جواب دیں گے ہاں یہ تو ٹھیک ہے- ہم جانتے ہیں کہ اس کے برابر کا کوئی نہیں- پس اللہ تعالیٰ اپنے تئیں انہیں پہنچوائے گا اور ان کو نجات دے گا- یہ کلمہ توحید اور ردشرک سن کر جواب دیتے تھے کہ کیا اس شاعر و مجنون کے کہنے سے ہم اپنے معبودوں سے دست بردار ہو جائیں گے؟ ماننا تو ایک طرف الٹے رسول اللہ کو شاعر اور دیوانہ بتاتے تھے- پس اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب کرتا ہے اور ان کے رد میں فرماتا ہے کہ یہ تو بالکل سچے ہیں' حق لے کر آئے ہیں' ساری شریعت سراسر حق ہے- خبریں ہوں' تو اور حکم ہوں تو- یہ رسولوں کو بھی سچا جانتا ہے- ان رسولوں نے جو صفتیں اور پاکیزگیاں آپ کی بیان کی تھیں' ان کے صحیح مصدق آپ ہی ہیں- یہ بھی وہی احکام بیان کرتے ہیں جو اگلے انبیاءؑ نے کیے- جیسے اور آیت میں ہے مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ الخ یعنی تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں سے کہا جاتا رہا-

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ
مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ
عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ
بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

یقیناً تم دردناک عذابوں کے مزے چکھنے والے ہو O تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے O مگر اللہ کے خالص برگزیدہ بندے O انہی کے لیے مقررہ روزی ہے۔ میوے ہر طرح کے اور وہ ذی عزت واکرام ہیں O نعمتوں والی جنتوں میں O تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے O جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہوگا O جو سفید اور پینے میں لذیذ ہوگی O نہ اس سے درد سر ہو اور نہ اس کے پینے سے بہکنے لگیں O اور ان کے پاس نیچی نظروں والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی O ایسی جیسے چھپائے ہوئے موتی O

متقیوں کے لئے نجات اور انعامات: ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۹) اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تم الناک عذاب چکھنے والے ہو۔ اور صرف اسی کا بدلہ دیئے جانے والے ہو جسے تم نے کیا دھرا ہے۔ پھر اپنے مخلص بندوں کو اس سے الگ کر لیتا ہے جیسے وَالْعَصْرِ میں فرمایا کہ تمام انسان گھاٹے میں ہیں مگر ایماندار نیک اعمال۔ اور سورۂ وَالتِّیْنِ میں فرمایا' ہم نے انسان کو بہت اچھی پیدائش میں پیدا کیا' پھر اسے نیچوں کا نیچ کر دیا مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور سورۂ مریم میں فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا الخ تم میں سے ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ تو تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے اور یہ ضروری چیز ہے لیکن پھر ہم متقیوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گرے پڑے چھوڑ دیں گے۔ سورۂ مدثر میں ارشاد ہوا ہے كُلُّ نَفْسٍ الخ ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں مشغول ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آ چکا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی اپنے خاص بندوں کا استثنا کر لیا کہ وہ الناک عذابوں سے حساب کے پھنساؤڑے سے الگ ہیں بلکہ ان کی برائیوں سے درگزر فرما لیا گیا ہے اور ان کی نیکیاں بڑھا چڑھا کر ایک کی دس دس گنی بلکہ سات سات سو گنی کر کے بلکہ اس سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر انہیں دی گئی ہیں۔ ان کے لئے مقررہ روزی ہے اور وہ قسم قسم کے میوہ جات ہیں۔ وہ مخدوم ہیں' ذی عزت ہیں' ذی اکرام ہیں' ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں' بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے' بڑا ادب لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہ نعمتوں سے پر جنتوں میں ہیں۔ وہاں کے تختوں پر اس طرح بیٹھے ہیں کہ کسی کی پیٹھ کسی کی طرف نہیں۔

ایک مرفوع غریب حدیث میں بھی ہے کہ اس آیت کی تلاوت کر کے آپ نے فرمایا' ہر ایک کی نگاہیں دوسرے کے چہرے پر پڑیں گی' آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس شراب کے دوران میں چل رہے ہوں گے جو جاری ہے۔ جس کے ختم ہو جانے' کم ہو جانے کا مطلق اندیشہ نہیں۔ جو ظاہر و باطن میں آراستہ ہے۔ خوبیاں ہیں' برائیاں نہیں۔ رنگ کی سفید' مزے کی بہت اچھی لذیذ۔ نہ اس کے پینے سے سر درد ہو نہ بک جھک لگے' دنیا کی شراب میں یہ آفتیں تھیں پیٹ کا درد' سر کا درد' بیہوشی بدحواسی وغیرہ لیکن جنت کی شراب میں ان میں سے ایک برائی بھی موجود نہیں رہی۔ دیکھنے میں خوش رنگ' پینے میں لذیذ' فوائد میں اعلیٰ' سرور و کیف میں عمدہ لیکن سدھ بدھ دور کر دینے والی' بدمست بنا دینے والی نہیں' نہ بدبودار نہ بدنظر نہ قابل نفرت۔ بلکہ خوشبودار' خوش رنگ' خوش ذائقہ' خوش فائدہ' اس کے پینے سے پیٹ میں درد نہیں ہوتا اور اس کی کثرت ضرر رساں نہیں' خلاف طبع نہیں۔ سر بھاری نہیں ہو جاتا' چکر نہیں آتے' گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ ہوش و حواس جاتے نہیں رہتے۔ کوئی ایذا' تکلیف' قے' متلی نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' شراب میں چار برائیاں ہیں۔ نشہ' سر درد' قے اور پیشاب۔ جنت کی شراب ان تمام برائیوں سے پاک ہے۔ دیکھ لو سورۂ الصافات۔ ان کے پاس نیچی نگاہوں والی' شرمیلی نظروں والی' پاک دامن عفیفہ حوریں ہیں جن کی نگاہ اپنے خاوندوں کے چہرے کے سوا کبھی کسی کے چہرے پر نہیں پڑتی اور نہ پڑے گی۔ بڑی بڑی موٹی موٹی رسیلی آنکھیں ہیں۔ حسن صورت' حسن سیرت دونوں چیزیں ان میں موجود ہیں۔ جس طرح حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام میں یہ دونوں خوبیاں دیکھیں۔ عورتوں نے جب انہیں طعنے دینے شروع کئے تو ایک دن سب کو بلا کر بٹھا لیا اور حضرت یوسفؑ کا پورا بناؤ سنگھار کرا کر بلایا۔ عورتوں کی نگاہیں ان کے جمال کو

دیکھ کر خیرہ ہوگئیں اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو فرشتہ ہیں۔ اسی وقت کہا' یہی تو ہیں جن کے بارے میں تم سب مجھے ملامت کر رہی تھیں۔ واللہ میں نے ان کو ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ پاک دامن ہی رہا۔ یہ باوجود جمال ظاہری کے حسن باطنی بھی رکھتا ہے۔ بڑا پاکباز' امین' پارسا' متقی' پرہیز گار ہے۔ اسی طرح حوریں ہیں کہ جمال ظاہری کے ساتھ ہی باطنی خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔

پھر ان کا مزید حسن بیان ہو رہا ہے کہ ان کا گورا گورا پنڈا اور بھبو کا سا رنگ ایسا چمکیلا دلکش اور جاذب نظر ہے کہ گویا محفوظ موتی۔ جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو' جو سیپ سے نہ نکلا ہو' جسے زمانے کی ہوا نہ لگی ہو' جو اپنی آبداری میں بے مثل ہو۔ ایسے ہی ان کے اچھوتے جسم ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گویا وہ انڈے کی طرح ہیں۔ انڈے کے اوپر کے چھلکے کے نیچے چھوٹے چھلکے جیسے ان کے بدن ہیں۔ ایک حدیث میں ام سلمہؓ کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا' حورعین سے مراد بہت بڑی آنکھوں والی سیاہ پلکوں والی حوریں ہیں۔ پھر پوچھا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا' انڈے کے اندر کی سفید جھلی۔ ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا کیا جاؤں گا اور جبکہ وہ جناب باری میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب بنوں گا اور جب وہ غمگین ہو رہے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا ہوں گا اور ان کا سفارشی بنوں گا جب کہ یہ رکے ہوئے ہوں گے۔ حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں اکرام وعزت والا میں ہوں۔ یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا۔ میرے آگے پیچھے قیامت کے دن ایک ہزار خادم گھوم رہے ہوں گے جو مثل چھپے ہوئے انڈوں یا اچھوت موتیوں کے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ
كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا
نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے ○ ان میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ہم نشین تھا ○ جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت کے آنے کا یقین کرنے والوں میں سے ہے؟ ○ کیا جبکہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے؟ کیا اس وقت ہم جلا دیئے جانے والے ہیں ○ کہے گا' تم چاہتے ہو تو جھانک کر دیکھ لو؟ ○ جھانکتے ہی اسے تو بیچوں بیچ جہنم میں جلتا ہوا دیکھے گا ○ کہے گا' واللہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی برباد کر دے ○ اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کیا گیا ہوتا ○ کیا یہ صحیح ہے کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟ ○ بجز پہلی ایک موت کے اور نہ ہم عذاب کئے جانے والے ہیں؟ ○ پھر تو ظاہر بات ہے کہ بڑی کامیابی ہے ○ ایسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے ○

محسن مقروض: ☆☆ (آیت: ۵۰-۶۱) جب جنتی موج مزے اڑاتے ہوئے' بے فکری اور فارغ البالی کے ساتھ جنت کے بلند و بالا خانوں میں عیش وعشرت کے ساتھ آپس میں مل جل کر تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' ہزار ہا پری جمال خدام سلیقہ شعاری سے کمربستہ

خدمت پر مامور ہوں گے، حکم احکام دے رہے ہوں گے، قسم قسم کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور طرح طرح کی لذتوں سے فائدہ مندی حاصل کرنے میں مصروف ہوں گے۔ دور شراب طہور چل رہا ہوگا، وہاں باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر نکل آئے گا کہ دنیا میں کیا کیا حال گزرے۔ کیسے کیسے دن کٹے۔ اس پر ایک شخص کہے گا، میری سنو، میرا شیطان میرا ایک مشرک ساتھی تھا جو مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ تعجب سا تعجب ہے کہ تو اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے، ہم کھوکھلی بوسیدہ سڑی گلی ہڈی بن جائیں گے، اس کے بعد بھی ہم حساب کتاب، جزا سزا کے لئے اٹھائے جائیں گے، مجھے وہ شخص جنت میں تو نظر پڑتا نہیں کیا عجب کہ وہ جہنم میں گیا ہو تو اگر چاہو تو میرے ساتھ چل کر جھانک کر دیکھ لو۔ جہنم میں اس کی کیا درگت ہو رہی ہے۔ اب جو جھانکتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ شخص سرتاپا جل رہا ہے، خود وہ آگ بن رہا ہے، جہنم کے درمیان میں کھڑا ہے اور بے بسی کے ساتھ جل بھن رہا ہے اور ایک اسے ہی کیا دیکھے گا کہ تمام بڑے بڑے لوگوں سے جہنم بھرا ہے۔ کعب احبارؒ فرماتے ہیں، جنت میں جنتی جب بھی کسی جہنمی کو دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو جلتے جھلستے دیکھ کر خوش ہو کر شکر الٰہی کرتے ہیں۔ جنتی اسے دیکھتے ہی کہے گا کہ حضرت آپ نے تو وہ پھندا ڈالا تھا کہ مجھے تباہ ہی کر ڈالتے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے پنجے سے چھڑا دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم میرے شامل حال نہ ہوتا تو بڑی بری گت ہوتی اور میں بھی تیرے ساتھ کھنچا کھنچا یہیں جہنم میں آ جاتا اور جلتا رہتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تیز کلامی، چرب زبانی سے مجھے عافیت میں رکھا اور تیرے اثر سے مجھے محفوظ رکھا۔ تو نے تو فتنے بپا کرنے میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی تھی۔

اب مومن اور ایک بات کہتا ہے جس میں اس کی اپنی تسکین اور کامیابی کی خبر ہے کہ وہ پہلی موت تو مر چکا ہے۔ اب ہمیشہ کے گھر میں ہے۔ نہ یہاں اس پر موت ہے نہ خوف ہے نہ عذاب ہے نہ وبال ہے اور یہی بہترین کامیابی اور فلاح ابدی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے سے اپنی پسند کا جتنا چاہو کھاؤ پیو۔ اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جنتی جنت میں مریں گے نہیں تو وہ یہ سن کر سوال کریں گے کہ کیا اب ہمیں موت تو نہیں آنے کی۔ کسی وقت عذاب تو نہیں ہوگا؟ تو جواب ملے گا، نہیں ہرگز نہیں۔ چونکہ انہیں کھٹکا تھا کہ موت آ کر یہ لذتیں فوت نہ کر دے، جب یہ دھڑکا ہی جاتا رہا تو وہ سکون کا سانس لے کر کہیں گے شکر ہے، یہ تو کھلی کامیابی ہے اور بڑی ہی مقصد یاوری ہے۔

اس کے بعد فرمایا ایسے ہی بدلے کے لئے عاملوں کو عمل کرنا چاہیے۔ قتادہؒ تو فرماتے ہیں، یہ اہل بہشت کا مقولہ ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اللہ کا فرمان ہے مطلب یہ ہے کہ ان جیسی نعمتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو دنیا میں بھرپور رغبت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے تاکہ انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کر سکیں۔ اسی آیت کے مضمون سے ملتا جلتا ایک قصہ ہے۔ اسے بھی سن لیجئے۔ دو شخص آپس میں شریک تھے۔ ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں۔ ایک چونکہ پیشے حرفے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا، اس لئے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے۔ آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جایئے۔ آپ کام کاج سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لئے اور جدا جدا ہو گئے۔ پھر اس حرفے والے نے بادشاہ کے مر جانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار دینار میں خریدا اور اپنے اس ساتھی کو بلا کر اسے دکھایا اور کہا بتاؤ میں نے کیسی چیز لی؟ اس نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا، اللہ اس میرے ساتھی نے تو ایک ہزار دینار کا قصر دنیوی خرید کیا ہے اور میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں۔ میں تیرے نام پر تیرے مسکین بندوں پر ایک ہزار اشرفی خرچ کرتا ہوں چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار اللہ کی راہ خرچ کر دیئے۔ پھر اس دنیادار شخص نے ایک زمانہ کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا۔ دعوت میں اپنے اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار

دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے۔ اس نے اس کی بھی تعریف کی۔ باہر آ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار دینار دیئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بارالہا' میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں کی ایک عورت حاصل کی ہے اور میں اس رقم سے تجھ سے حور عین کا طالب ہوں اور وہ رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی۔ پھر کچھ مدت کے بعد اس نے اسے بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ میں نے خرید کئے ہیں۔ دیکھ لو کیسے ہیں؟ اس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آ کر اپنی عادت کے مطابق جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ اللہ میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خریدے ہیں۔ میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں چنانچہ اس رقم کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ پھر فرشتہ ان دونوں کو فوت کر کے لے گیا۔ اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے ایک محل میں پہنچایا گیا جہاں پر ایک بہترین حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ وہ نعمتیں ملیں جنہیں بجز اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا تو اسے اس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آ گیا۔ فرشتے نے بتایا کہ وہ تو جہنم میں ہے۔ تم اگر چاہو تو جھانک کر اسے دیکھ سکتے ہو۔ اس نے جب اسے بیچ جہنم میں جلتا دیکھا تو اس سے کہا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب کی مہربانی ہوئی کہ میں بچ گیا۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں' یہ تشدید والی قراءت کی مزید تائید کرتی ہے۔

اور روایت میں ہے کہ تین تین ہزار دینار تھے۔ ایک کافر تھا۔ ایک مومن تھا۔ جب یہ مومن اپنی کل رقم راہ الٰہی میں خرچ کر چکا تو ٹوکری سر پر رکھ کر کدال پھاوڑا لے کر مزدوری کے لئے چلا۔ اسے ایک شخص ملا اور کہا اگر تو میرے جانوروں کی سائیسی کرے اور گوبر اٹھائے تو میں تجھے کھانے پینے کو دے دوں گا۔ اس نے منظور کر لیا اور کام شروع کر دیا لیکن یہ شخص بڑا بے رحم بدگمان تھا۔ جہاں اس نے کسی جانور کو بیمار یا دبلا پتلا دیکھا کہ اس مسکین کی گردن توڑتا۔ خوب مارتا پیٹتا اور کہتا کہ اس کا دانہ تو چرا لیتا ہو گا۔ اس مسلمان سے یہ سختی برداشت نہ کی گئی تو ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اپنے کافر شریک کے ہاں چلا جاؤں۔ اس کی کھیتی ہے۔ باغات ہیں۔ وہاں کام کاج کر دوں گا اور وہ مجھے روٹی ٹکڑا دے دیا کرے گا اور مجھے کیا لینا دینا ہے؟ وہاں جو پہنچا تو شاہی ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا' ایک بلند و بالا محل ہے۔ دربان' ڈیوڑھی اور پہرے دار کی چوکی دار غلام لونڈیاں سب موجود ہیں۔ یہ ٹھٹکا اور دربانوں نے اسے روکا۔ اس نے ہر چند کہا کہ تم اپنے مالک سے میرا ذکر تو کرو۔

انہوں نے کہا' اب وقت نہیں۔ تم ایک کونے میں پڑے رہو۔ صبح جب وہ نکلیں تو خود سلام کر لینا۔ اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں پہچان ہی لیں گے ورنہ پھر ہمارے ہاتھوں تمہاری پوری مرمت ہو جائے گی۔ اس مسکین کو یہی کرنا پڑا جو کمبل کا ٹکڑا یہ جسم سے لپیٹے ہوئے تھا' اسی کو اس نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایک کونے میں دبک کر پڑ گیا۔ صبح کے وقت اس کے راستے پر جا کھڑا ہوا۔ جب وہ نکلا اور اس پر نگاہ پڑی تو تعجب ہو کر پوچھا کہ ہیں؟ یہ کیا حالت ہے' مال کیا ہوا؟ اس نے کہا' وہ کچھ نہ پوچھو۔ اس وقت تو میرا کام جو ہے' اسے پورا کر دو یعنی مجھے اجازت دو کہ میں تمہاری کھیتی باڑی کا کام مثل اور نوکروں کے کروں اور آپ مجھے صرف کھانا دے دیا کیجئے اور جب یہ کمبل پھٹ ٹوٹ جائے تو ایک کمبل اور خرید دینا۔ اس نے کہا' نہیں نہیں۔ میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس رقم کو تم نے کیا کیا؟ کہا' میں نے اسے ایک شخص کو قرض دی ہے۔ کہا کسے؟ کہا ایسے کو جو نہ لے کر مکرے نہ دینے سے انکار کرے' کہا وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا' وہ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا اور تیرا رب ہے۔ یہ سنتے ہی اس کافر نے اس مسلمان کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا لیا اور اس سے کہا' احمق ہوا ہے۔ یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم مر کر مٹی ہو کر پھر جئیں اور اللہ ہمیں بدلے دے؟ جا جب تو ایسا ہی بودا اور ایسے عقیدوں والا ہے تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔

پس وہ کافر تو مزے اڑاتا رہا اور یہ مومن سختی سے دن گزارتا رہا یہاں تک کہ دونوں کو موت آ گئی - مسلمان کو جنت میں جو جو نعمتیں اور رحمتیں ملیں' وہ اندازو شمار سے زیادہ تھیں - اس نے جو دیکھا کہ حد نظر سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ تو زمین ہے اور بے شمار درخت اور باغات ہیں اور جا بجا نہریں اور چشمے ہیں تو پوچھا یہ سب کس کا ہے؟ جواب ملا' یہ سب آپ کا ہے - کہا سبحان اللہ! اللہ کی یہ تو بڑی ہی مہربانی ہے - اب جو آگے بڑھا تو اس قدر لونڈی غلام دیکھے کہ گنتی نہیں ہو سکتی' پوچھا یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا سب آپ کے - اسے اور تعجب اور خوشی ہوئی - پھر جو آگے بڑھا تو سرخ یاقوت کے محل نظر آئے - ایک موتی کا محل' ہر ہر محل میں کئی کئی حور عین' ساتھ ہی اطلاع ہوئی کہ یہ سب بھی آپ کا ہے - پھر تو اس کی باچھیں کھل گئیں - کہنے لگا' اللہ جانے میرا وہ کافر ساتھی کہاں ہوگا؟ اللہ اسے دکھائے گا کہ وہ بیچ جہنم میں جل رہا ہے - اب ان میں وہ باتیں ہوں گی جن کا ذکر یہاں ہوا ہے - پس مومن پر دنیا میں جو بلائیں آئی تھیں' انہیں وہ یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اسے کوئی نظر نہ آئے گی -

أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾

کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا سینڈھ کا درخت ○ جسے ہم نے ستمگاروں کے لئے سخت سزا بنا رکھا ہے ○ جو درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے ○ جس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں ○ جہنمی اسی درخت کو کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بوجھل کر لیں گے ○ پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی ○ پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی آگ کے ڈھیر کی طرف ہوگا ○ یقین مانو کہ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو بہکا ہوا پایا ○ یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑے بھاگے چلتے رہے ○

زقوم اور طوبیٰ: ☆☆ (آیت: ۶۲-۷۰) جنت کی نعمتوں کا بیان فرما کر فرماتا ہے کہ اب لوگ خود فیصلہ کر لیں کہ وہ جگہ اور وہ نعمتیں بہتر ہیں؟ یا زقوم کا درخت جو دوزخیوں کا کھانا ہے - ممکن ہے اس سے مراد خاص ایک ہی درخت ہو اور وہ تمام جہنم میں پھیلا ہوا ہو' جیسے طوبیٰ کا ایک درخت ہے جو جنت کے ایک ایک محل میں پہنچا ہوا ہے - اور ممکن ہے کہ مراد زقوم کے درخت کی جنس ہو - اس کی تائید آیت لَاٰ كِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ الخ سے بھی ہوتی ہے - ہم نے اسے ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے - حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' شجرہ زقوم کا ذکر گمراہوں کے لئے فتنہ ہو گیا - وہ کہنے لگے - لو اور سنو آگ میں اور درخت؟ آگ تو درخت جلا دینے والی ہے -

یہ نبی کہتے ہیں جہنم میں درخت اگے گا - تو اللہ نے فرمایا' ہاں یہ درخت آگ ہی سے پیدا ہوگا اور اس کی غذا بھی آگ ہی ہو گی - ابو جہل ملعون اسی پر ہنسی اڑاتا تھا اور کہتا تھا' میں تو خوب مزے سے کھجور مکھن کھاؤں گا' اسی کا نام زقوم ہے - الغرض یہ بھی ایک امتحان ہے - بھلے لوگ تو اس سے ڈر گئے اور بروں نے اس کا مذاق اڑایا - جیسے فرمان ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ الخ جو منظر ہم نے تجھے دکھایا تھا' وہ صرف اس لئے ہی کہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے اور اسی طرح اس نامبارک درخت کا ذکر بھی - ہم تو انہیں

دھمکا رہے ہیں مگر یہ نافرمانی میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں- اس درخت کی اصل جڑ جہنم میں ہے- اس کے خوشے اور شاخیں بھیانک' ڈراؤنی' لمبی' چوڑی' دور دور تک شیطانوں کے سروں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں- گو شیطان کو بھی کسی نے دیکھا نہیں لیکن اس کا نام سنتے ہی اس کی بدصورتی اور خباثت کا منظر سامنے آ جاتا ہے' یہی حال اس درخت کا ہے کہ دیکھنے اور چکھنے میں ظاہر اور باطن میں بری چیز ہے- یہ بھی کہا گیا ہے کہ سانپوں کی ایک قسم ہے جو بدترین بھیانک اور خوفناک شکل کے ہوتے ہیں- اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نبات کی ایک قسم ہے جو بہت بری طرح پھیل جاتی ہے- لیکن یہ دونوں احتمال درست نہیں- ٹھیک بات وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا- اسی بدمنظر' بدبو' بد ذائقہ' بدمزہ' بدخصال تھور کو انہیں جبراً کھانا پڑے گا- اور ٹھونس ٹھونس کر انہیں کھلایا جائے گا کہ یہ بجائے خود ایک زبردست عذاب ہے- اور آیت میں ہے لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ الخ ان کی خوراک وہاں صرف کانٹوں دار تھور ہوگا جو نہ انہیں فربہ کر سکے نہ بھوک مٹا سکے- حضورؐ نے ایک بار آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ کی تلاوت کر کے فرمایا' اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں پڑ جائے تو روئے زمین کے تمام لوگوں کی خوراکیں خراب ہو جائیں- اس کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی یہی ہو (ترمذی وغیرہ)

پھر اس زقوم کے کھانے کے ساتھ ہی انہیں اوپر سے جہنم کا کھولتا گرم پانی پلایا جائے گا- یا یہ مطلب کہ اس جہنمی درخت کو جہنمی پانی کے ساتھ ملا کر انہیں کھلایا پلایا جائے گا اور یہ گرم پانی وہ ہوگا جو جہنمیوں کے زخموں سے لہو پیپ وغیرہ کی شکل میں نکلا ہوگا اور جو ان کی آنکھوں سے اور پوشیدہ راستوں سے نکلا ہوا ہوگا- حدیث میں ہے کہ جب یہ پانی ان کے سامنے لایا جائے گا' انہیں سخت ایذا ہوگی- بڑی کراہیت آئے گی- پھر جب وہ ان کے منہ کے پاس لایا جائے گا تو ان کی بھاپ سے اس کے چہرے کی کھال جھلس کر جھڑ جائے گی اور جب اس کا گھونٹ پیٹ میں جائے گا تو ان کی آنتیں کٹ کر پاخانے کے راستے سے باہر آ جائیں گی (ابن ابی حاتم)

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' جب جہنمی بھوک کی شکایت کریں گے تو زقوم کھلایا جائے گا جس سے ان کے چہرے کی کھالیں بالکل الگ ہو کر پڑیں گی- اس طرح انہیں پہچاننے والا اس میں ان کے منہ کی پوری کھال دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ فلاں ہے- پھر پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر وہ ہائے وائے پکاریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا گرم پانی دیا جائے گا جو چہرے کے سامنے آتے ہی چہرے کے گوشت کو جھلس دے گا اور تمام گوشت گر پڑے گا' اور پیٹ میں جا کر آنتوں کو کاٹ دے گا- اوپر سے لوہے کے ہتھوڑے مارے جائیں گے اور ایک ایک عضو بدن الگ الگ جھڑ جائے گا' بری طرح چیختے پیٹتے ہوں گے- فیصلہ ہوتے ہی ان کا ٹھکانا جہنم ہو جائے گا جہاں طرح طرح کے عذاب ہوتے رہیں گے- جیسے اور آیت میں ہے یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ جہنم اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان چکر کھاتے رہیں گے- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قراءت ثُمَّ اِنَّ مَقِیْلَهُمْ لَا اِلَی الْجَحِیْمِ ہے- حضرت عبداللہؓ کا فرمان ہے کہ واللہ آدھے دن سے پہلے ہی پہلے دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے اور وہیں قیلولہ یعنی دوپہر کا آرام کریں گے' قرآن فرماتا ہے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا جنتی باعتبار جائے قیام کے بہت اچھے ہوں گے اور باعتبار آرام گاہ کے بھی بہت اچھے ہوں گے-

الغرض قیلولے کا وقت دونوں کا اپنی اپنی جگہ ہوگا- آدھے دن سے پہلے پہلے اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے- اس بناء پر یہاں ثم کا لفظ خبر پر خبر کے عطف کے لئے ہوگا- یہ اس کا بدلہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا- لیکن پھر بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے- مجبوروں اور بیوقوفوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے-

وَلَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ
مُّنۡذِرِيۡنَ ﴿۷۲﴾ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدۡ نَادٰٮنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِيۡبُوۡنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵۲
وَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ
الۡبٰقِيۡنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى
الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۱﴾
ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ﴿۸۲﴾

ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں ○ جن میں ہم نے آگاہ کرنے والے رسول بھیجے تھے ○ اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا' ان کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ سوائے اللہ کے برگزیدہ مخلص بندوں کے ○ ہمیں نوح نے پکارا تو دیکھ لو کہ ہم کیسے اچھے دعا کے قبول کرنے والے ہیں ○ ہم نے اسے اور اس کے تابعداروں کو اس زبردست مصیبت سے بچالیا ○ اس کی اولاد ہم نے باقی رہنے والی بنادی ○ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا ○ نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو ○ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں ○ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا ○ پھر ہم نے باقی کے سب لوگوں کو ڈبو دیا ○

سابقہ امتیں: ☆☆ (آیت:۷۱-۷۴) گزشتہ امتوں میں بھی اکثر لوگ گم کردہ راہ تھے۔ اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ ان میں بھی اللہ کے رسول آئے تھے۔ جنہوں نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا اور ڈرا دھمکا دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ ان کے شرک و کفر اور تکذیب رسول سے بے طرح اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور اگر وہ باز نہ آئے تو انہیں عذاب ہوں گے۔ پھر بھی جب انہوں نے نبیوں کی نہ مانی' اپنی برائی سے باز نہ آئے تو دیکھ لو کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ تہس نہس کر دیئے گئے۔ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ ہاں نیک کار خلوص والے اللہ کے موحد بندے بچا لئے گئے اور عزت کے ساتھ رکھے گئے۔

نیک لوگوں کے نام زندہ رہتے ہیں: ☆☆ (آیت:۷۵-۸۲) اوپر کی آیتوں میں پہلے لوگوں کی گمراہی کا اجمالاً ذکر تھا۔ ان آیتوں میں تفصیلی بیان ہے۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور ہر وقت انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن تاہم قوم گمراہی پر جمی رہی سوائے چند پاک باز لوگوں کے کوئی ایمان نہ لایا۔ بلکہ ستاتے اور تکلیفیں دیتے رہے' آخر کار اللہ کے رسول نے تنگ آ کر رب سے دعا کی کہ اللہ میں عاجز آ گیا۔ تو میری مدد کر۔ اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور تمام کفار کو تہہ آب اور غرق کر دیا۔ تو فرماتا ہے کہ نوح نے تنگ آ کر ہمارے جناب میں دعا کی۔ ہم تو ہیں ہی بہترین طور پر دعاؤں کے قبول کرنے والے' فوراً ان کی دعا قبول فرمالی۔ اور اس تکذیب و ایذا سے جو انہیں کفار سے روزمرہ پہنچ رہی تھی ہم نے بچا لیا۔ اور انہی کی اولاد سے پھر دنیا بسی' کیونکہ وہی باقی بچے تھے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' تمام لوگ حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ ترمذی کی مرفوع حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ سام' حام اور یافث کی پھر اولاد پھیلی اور باقی رہی۔ مسند میں یہ بھی ہے کہ سام سارے عرب کے باپ ہیں اور حام تمام حبش کے اور یافث تمام روم کے۔ اس حدیث میں رومیوں سے مراد روم اول یعنی یونانی ہیں۔ جو رومی بن لیطی بن یوناں بن یافث بن نوح کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت سعید

بن مسیبؒ کا فرمان ہے کہ حضرت نوحؑ کے ایک لڑکے سام کی اولاد عرب' فارس اور رومی ہیں اور یافث کی اولاد ترک' صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں' اور حام کی اولاد قبطی' سوڈانی اور بربری ہیں - واللہ اعلم- حضرت نوحؑ کی بھلائی اور ان کا ذکر خیر ان کے بعد کے لوگوں میں اللہ کی طرف سے زندہ رہا- تمام انبیاء کی حق گوئی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے- ہمیشہ ان پر لوگ سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کی تعریفیں بیان کرتے رہیں گے- حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو- یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے- یعنی ان کا ذکر بھلائی سے باقی رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر امت ان پر سلام بھیجتی رہتی ہے- ہماری یہ عادت ہے کہ جو شخص خلوص کے ساتھ ہماری عبادت و اطاعت پر جم جائے' ہم بھی اس کا ذکر جمیل بعد والوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھتے ہیں- حضرت نوحؑ یقین و ایمان رکھنے والوں' توحید پر جم جانے والوں میں سے تھے- نوحؑ و نوح والوں کا تو یہ واقعہ ہوا- لیکن نوحؑ کے مخالفین غارت اور غرق کر دیئے گئے- ایک آنکھ جھپکنے والی ان میں باقی نہ بچی' ایک خبر رساں زندہ نہ رہا' نشان تک باقی نہ بچا- ان کی ہڈیاں اور برائیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے مخلوق کی زبان پر ان کے یہ بدترین افسانے چڑھ گئے-

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ
تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

نوحؑ کی تابعداری کرنے والوں میں سے ہی ابراہیم بھی تھے ○ جبکہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے ○ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کے پوج رہے ہو؟ ○ کیا تم اپنی فاسد رائے سے اللہ کے سوا دوسروں کے مرید بن رہے ہو؟ ○ تو یہ بتلاؤ کہ تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ ○

اب بھی سنبھل جاؤ: ☆☆ (آیت: ۸۳-۸۷) ابراہیم علیہ السلام بھی نوحؑ کے دین پر تھے' انہی کے طریقے اور چال چلن پر تھے- اپنے رب کے پاس سلامت دل لے گئے یعنی توحید والا جو اللہ کو حق جانتا ہو- قیامت کو آنے والی مانتا ہو- مردوں کو دوبارہ جینے والا سمجھتا ہو- شرک و کفر سے بیزار ہو' دوسروں پر لعن طعن کرنے والا نہ ہو- خلیل اللہؑ نے اپنی تمام قوم سے اور اپنے سگے باپ سے صاف فرما دیا کہ یہ تم کس کی پوجا پاٹ کر رہے ہو؟ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت چھوڑ دو- اپنے ان جھوٹ موٹھ کے معبودوں کی ارادات چھوڑ دو- ورنہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا کچھ نہ کرے گا اور تمہیں کیسی کچھ سخت ترین سزائیں دے گا؟

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ
مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا
تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ
يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا
بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی اور کہا میں تو بیمار ہو جاؤں گا ○ اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے ○ آپ چپ چپاتے ان

کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے؟ ○ پھر تو پوری قوت کے ساتھ دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے ○ بت پرست دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے ○ تو آپ نے فرمایا کیا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں خود تم تراشتے ہو؟ ○ حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی سب چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ○ وہ کہنے لگے اس کیلئے ایک آتش کدہ بناؤ اور اس دہکتی ہوئی آگ میں اسے ڈال دو ○ انہوں نے تو ابراہیم کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچوں کا نیچ کر دیا ○

بت کدہ آذر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۸۸-۹۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ اس لئے فرمایا کہ وہ جب اپنے میلے میں چلے جائیں تو یہ ان کے عبادت خانے میں تنہا رہ جائیں اور ان کے بتوں کو توڑنے کا تنہائی کا موقعہ مل جائے- اسی لئے ایک ایسی بات کہی جو درحقیقت سچی بات تھی لیکن ان کی سمجھ میں جو مطلب اس کا آیا' اس سے آپ نے اپنا دینی کام نکال لیا- وہ تو اعتقاد کے موجب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچ مچ بیمار سمجھ بیٹھے اور انہیں چھوڑ کر چلتے بنے- حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' جو شخص کسی امر میں غور و فکر کرے تو عرب کہتے ہیں' اس نے ستاروں پر نظریں ڈالیں- مطلب یہ ہے کہ غور و فکر کے ساتھ تاروں کی طرف نگاہ اٹھائی- اور سوچنے لگے کہ میں انہیں کس طرح ٹالوں- سوچ سمجھ کر فرمایا کہ میں سقم ہوں یعنی ضعیف ہوں- ایک حدیث میں آیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین ہی جھوٹ بولے ہیں جن میں سے دو تو اللہ کے دین کے لئے ان کا فرمان اِنِّیْ سَقِیْمٌ اور ان کا فرمان بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اور ایک ان کا حضرت سارہؓ کو اپنی بہن کہنا- تو یاد رہے کہ دراصل ان میں حقیقی جھوٹ ایک بھی نہیں- انہیں تو صرف مجازاً جھوٹ کہا گیا ہے- کلام میں ایسی تعریفیں کسی شرعی مقصد کے لئے کرنا جھوٹ میں داخل نہیں' جیسے کہ حدیث میں بھی ہے کہ تعریض جھوٹ سے الگ ہے اور اس سے بے نیاز کر دیتی ہے- ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ان تینوں کلمات میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس سے حکمت عملی کے ساتھ دین الٰہی کی بھلائی مقصود نہ ہو-

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں ''میں بیمار ہوں'' سے مطلب مجھے طاعون ہو گیا ہے- اور وہ لوگ ایسے مریض سے بھاگتے تھے- حضرت سعیدؒ کا بیان ہے کہ اللہ کے دین کی تبلیغ' ان کے جھوٹے معبودوں کی تردید کے لئے خلیل اللہ کی یہ ایک حکمت عملی تھی کہ ایک ستارے کو طلوع ہوتے دیکھ کر فرما دیا کہ میں سقیم ہوں- اوروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی یقیناً ایک مرتبہ مرض الموت آنے والا ہے- اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مریض ہوں یعنی میرا دل تمہارے ان بتوں کی عبادت سے بیمار ہے-

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں' جب آپ کی قوم میلے میں جانے لگی' تو آپ کو بھی مجبور کرنے لگی آپ ہٹ گئے اور فرما دیا کہ میں سقیم ہوں اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے- جب وہ انہیں تنہا چھوڑ کر چل دیئے تو آپ نے بہ فراغت ان کے معبودوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے- وہ تو سب اپنی عید میں گئے- آپ چپکے چپکے اور جلدی جلدی ان کے بتوں کے پاس آئے- پہلے تو فرمایا' کیوں جی تم کھاتے کیوں نہیں؟ یہاں آ کر خلیل اللہ نے دیکھا کہ جو چڑھاوے ان لوگوں نے ان بتوں پر چڑھا رکھے تھے' وہ سب رکھے ہوئے تھے' ان لوگوں نے تبرک کی نیت سے جو قربانیاں یہاں کی تھیں' وہ سب یونہی پڑی ہوئی ہیں' یہ بت خانہ بہت بڑا وسیع اور مزین تھا- دروازے کے متصل ایک بہت بڑا بت تھا اور اس کے اردگرد اس سے چھوٹے' پھر ان سے چھوٹے' یونہی تمام بت خانہ بھرا ہوا تھا- ان کے پاس مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے جو اس اعتقاد سے رکھے گئے تھے کہ یہاں رہنے سے متبرک ہو جائیں گے- پھر ہم کھا لیں گے- ابراہیمؑ نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر پھر فرمایا' یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ بولتے کیوں نہیں- اب تو پوری قوت سے دائیں ہاتھ سے مار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے- ہاں بڑے بت کو چھوڑ دیا تا کہ اس پر بدگمانی کی جا سکے-

جیسے کہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے۔ بت پرست جب اپنے میلے سے واپس ہوئے' بت خانے میں گھسے تو دیکھا کہ ان کے سب اللہ اڑنگ بڑنگ پڑے ہوئے ہیں۔ کسی کا ہاتھ نہیں' کسی کا پاؤں نہیں' کسی کا سر نہیں' کسی کا دھڑ نہیں۔ حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہوا؟ آخر سوچ سمجھ کر بحث مباحثے کے بعد معلوم کر لیا کہ ہو نہ ہو یہ کام ابراہیم کا ہو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اب سارے کے سارے مل جل کر خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس دوڑے بھاگے' دانت پیستے' تلملاتے' کوستے گئے۔ خلیل اللہ کو تبلیغ کا اور انہیں قائل معقول کرنے کا اور سمجھانے کا اچھا موقعہ ملا۔ فرمانے لگے' کیوں ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں خود تم بناتے ہو؟ اپنے ہاتھوں گھڑتے اور تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اس آیت میں ما مصدریہ ہو اور ممکن ہے کہ اَلَّذِیْ کے معنی میں ہو لیکن دونوں معنی میں تلازم ہے۔ گو اول زیادہ ظاہر ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب افعال العباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ پھر بعض نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ چونکہ اس پاک صاف بات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا تو تنگ آ کر دشمنی پر اور سفلہ پن پر اتر آئے اور کہنے لگے' ایک بنیان بناؤ' اس میں آگ جلاؤ اور اسے اس میں ڈال دو۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اس سے نجات دی۔ انہی کو غلبہ دیا اور انہی کی مدد فرمائی۔ گو انہوں نے انہیں برائی پہنچانی چاہی لیکن اللہ نے خود انہیں ذلیل کر دیا۔ اس کا پورا بیان اور کامل تفسیر سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہے۔ وہیں دیکھ لی جائے۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾

ابراہیمؑ نے کہا' میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا ○ اے میرے رب مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما ○ تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی ○ پھر جب بچہ اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے تو ابراہیم نے کہا' میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے تئیں تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جو حکم کیا جاتا ہے' اسے بجا لایئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے ○ غرض جب دونوں نے تسلیم کر لی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ○ ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم ○ یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ○ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا ○ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیئے میں دے دیا ○

ذبیح اللہ کی بحث اور یہودی روایات: ☆☆ (آیت:۹۹-۱۰۷) خلیل اللہ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے' بڑی بڑی قدرتی نشانیاں دیکھ کر بھی جب انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو آپ نے ان سے ہٹ جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب تم میں سے ہجرت کر

جاؤں گا' میرا رہنما میرا رب ہے- ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا مانگی تا کہ وہی توحید میں آپ کا ساتھ دے- اسی وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار بچے کی بشارت دی جاتی ہے- یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے- یہی آپ کے پہلے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحاقؑ سے بڑے تھے- اسے تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں بلکہ ان کی کتاب میں موجود ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوتے ہیں' اس وقت آپ کی عمر ننانوے برس کی تھی- بلکہ ان کی اپنی کتاب میں تو یہ بھی ہے کہ جناب ابراہیم کو اپنے اکلوتے فرزند کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا- لیکن صرف اس لئے کہ یہ لوگ خود تو نبی اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبی اللہ و ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے عرب ہیں- انہوں نے واقعہ کی اصلیت بدل دی اور اس فضیلت کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر حضرت اسحاقؑ کو دے دیا اور بے جا تاویلیں کر کے اللہ کے کلام کو بدل ڈالا اور کہا ہماری کتاب میں لفظ وَحِيدَكَ ہے- اس سے مراد اکلوتا نہیں بلکہ جو تیرے پاس اس وقت اکیلا ہے' وہ ہے- یہ اس لئے کہ حضرت اسماعیلؑ تو اپنی والدہ کے ساتھ مکے میں تھے- یہاں خلیل اللہ کے ساتھ صرف حضرت اسحاقؑ تھے- لیکن یہ بالکل غلط ہے- وحید اسی کو کہا جاتا ہے جو اکلوتا ہو- اس کا اور کوئی بھائی نہ ہو- پھر یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اکلوتے اور پہلوٹھی کے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے اور اس کے جو لاڈ پیار ہوتے ہیں' عموماً دوسری اولاد کے ہونے پر پھر وہ باقی نہیں رہتے- اس لئے اس کے ذبیحہ کا حکم امتحان اور آزمائش کی زبردست کڑی ہے- ہم اسے مانتے ہیں۔

کہ بعض سلف بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ تھے یہاں تک کہ بعض صحابہؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن یہ چیز کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہوتی- بلکہ خیال یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک شہرت دی ہوئی بات کو ان حضرات نے بھی بے دلیل اپنے ہاں لے لیا- دور کیوں جائیں' کتاب اللہ کے الفاظ میں ہی غور کر لیجئے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت کا غلام حلیم کہہ کر ذکر ہوا اور پھر اللہ کی راہ میں ذبح کے لئے تیار ہونے کا ذکر ہوا- اس تمام بیان کو ختم کر کے پھر نبی صالح حضرت اسحاقؑ کے تولد کی بشارت کا بیان ہوا- اور فرشتوں نے بشارت اسحاقؑ کے موقعہ پر غلام علیم فرمایا تھا- اسی طرح قرآن میں ہے' بشارت اسحاق کے ساتھ ہی ہے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں ہی حضرت اسحاقؑ کے ہاں حضرت یعقوبؑ پیدا ہوں گے یعنی ان کی تو نسل جاری رہنے کا پہلے ہی علم کرایا جا چکا تھا' اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟ اسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے- البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصف یہاں پر بردباری کا بیان کیا گیا ہے جو ذبح کے لئے نہایت مناسب ہے-

اب حضرت اسماعیلؑ بڑے ہو گئے- اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے- آپ اس وقت مع اپنی والدہ محترمہ کے فاران میں تھے- حضرت ابراہیمؑ عموماً وہاں جاتے آتے رہے تھے- یہ مذکور ہے کہ براق پر جاتے تھے اور اس جملے کے یہ معنی ہیں کہ جوانی کے لگ بھگ ہو گئے- لڑکپن کا زمانہ نکل گیا اور باپ کی طرح چلنے پھرنے' کام کاج کرنے کے قابل بن گئے' تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ گویا آپ اپنے پیارے بچے کو ذبح کر رہے ہیں- انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہی آیت ہے- ایک مرفوع روایت میں بھی یہ ہے- پس اللہ کے رسولؑ نے اپنے لخت جگر کی آزمائش کے لئے کہ اچانک وہ گھبرا نہ اٹھے' اپنا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا- وہاں کیا تھا- وہ بھی اسی درخت کے پھل تھے- نبی ابن نبی تھے- جواب دیتے ہیں' ابا پھر دیر کیوں لگا رہے ہو- یہ باتیں بھی پوچھنے کی ہوتی ہیں' جو حکم ہوا ہے' اسے فوراً کر ڈالئے اور اگر میری نسبت کھٹکا ہو تو زبانی اطمینان کیا کروں' چھری رکھئے- خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کیسا کچھ صابر ہوں- ان شاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کر دے گا- سبحان اللہ جو کہا تھا' وہی کر کے دکھایا اور صادق الوعد ہونے کا سرٹیفکیٹ اللہ کی طرف سے حاصل

کرہی لیا - آخر باپ بیٹا دونوں حکم الٰہی کی اطاعت کے لئے جان بکف تیار ہو جاتے ہیں - باپ بچے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور باپ اپنے نور چشم لخت جگر کو منہ کے بل زمین پر گراتے ہیں تا کہ ذبح کے وقت منہ دیکھ کر محبت نہ آ جائے اور ہاتھ سست نہ پڑ جائے -

مسند احمد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نور نظر کو ذبح کرنے کے لئے بحکم الٰہی چلے تو سعی کے وقت شیطان سامنے آیا لیکن حضرت ابراہیمؑ اس سے آگے بڑھ گئے' پھر جبرئیلؑ کے ساتھ آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا - آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں - پھر جمرہ وسطی کے پاس آیا - پھر وہاں سات کنکریاں ماریں - پھر آگے بڑھ کر اپنے پیارے بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے دے پچھاڑا' ذبیح اللہ کے پاک جسم پر اس وقت سفید چادر تھی - کہنے لگے' ابا جی اسے اتار لیجئے تا کہ اس میں آپ مجھے کفنا سکیں - آہ! اس وقت بیٹے کو ننگا کرتے ہوئے باپ کا عجب حال تھا کہ آواز آئی' بس ابراہیم خواب کو سچا کر چکے - مڑ کر دیکھا تو ایک مینڈھا سفید رنگ بڑے بڑے سینگوں اور صاف آنکھوں والا نظر پڑا -

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اسی لئے ہم اس قسم کے مینڈھے (چھترے) چن چن کر قربانی کے لئے لیتے تھے - ابن عباسؓ ہی سے دوسری روایت میں حضرت اسحاقؑ کا نام مروی ہے - تو گو دونوں نام آپ سے مروی ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے اور اس کی دلیلیں آ رہی ہیں - ان شاء اللہ تعالیٰ - اس کے بدلے بڑا ذبیحہ اللہ نے عطا فرمایا - اس کی بابت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ جنتی چھترا تھا جو وہاں چالیس سال سے کھا پی رہا تھا - اسے دیکھ کر آپ نے اپنے بچے کو چھوڑ اس کے پیچھے ہو لئے - جمرہ اولیٰ پر آ کر سات کنکریاں پھینکیں' پھر وہ بھاگ کر جمرہ وسطی پر آ گیا - سات کنکریاں یہاں ماریں پھر جمرہ کبریٰ کے پاس سات کنکریاں ماریں اور وہاں سے منحر میں لا کر ذبح کیا - اس کے سینگ سر سمیت ابتداء اسلام کے زمانہ تک کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکتے رہے تھے - پھر سوکھ گئے - ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت کعبؓ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے - حضرت ابو ہریرہؓ تو حدیثیں بیان کر رہے تھے اور حضرت کعبؓ کتاب کے قصے بیان کر رہے تھے - حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دعا قبول شدہ ہے اور میں نے اپنی اس مقبول دعا کو پوشیدہ کر کے رکھ چھوڑا ہے - اپنی امت کی شفاعت کے لئے جو بروز قیامت ہو گی - تو حضرت کعبؓ نے فرمایا' تم نے خود اسے حضورؐ سے سنا ہے؟ فرمایا ہاں - حضرت کعبؓ خوش ہوئے اور فرمانے لگے' تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا فرمایا حضورؐ پر میرے ماں باپ صدقے جائیں -

پھر حضرت کعبؓ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جب آپ اپنے لڑکے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تو شیطان نے کہا' اگر میں اس وقت انہیں نہ بہکا سکا تو مجھے ان سے عمر بھر کے لئے مایوس ہو جانا چاہیے - پہلے تو یہ حضرت سارہؓ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے گئے ہیں؟ مائی صاحبہؓ نے جواب دیا' اپنے کسی کام پر لے گئے ہیں' اس نے کہا نہیں بلکہ وہ ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں - مائی صاحبہؓ نے فرمایا' وہ اسے کیوں ذبح کرنے لگے؟ لعین نے کہا' وہ کہتے ہیں اللہ کا انہیں یہی حکم ہے' جواب ملا' پھر تو یہی بہتر ہے کہ وہ جلدی سے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے فارغ ہو لیں - یہاں سے نامراد ہو کر بچے کے پاس آیا اور کہا تمہارے ابا تمہیں کہاں لے جاتے ہیں؟ فرمایا اپنے کام کے لئے' کہا نہیں بلکہ وہ تجھے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں' فرمایا یہ کیوں؟ کہا اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں اللہ کا انہیں حکم ہے - کہا' پھر تو واللہ انہیں اس کام میں بہت جلدی کرنی چاہیے - ان سے بھی مایوس ہو کر یہ ملعون خلیل اللہ کے پاس پہنچا - ان سے کہا' بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ جواب دیا اپنے کام کے لئے - ملعون نے کہا نہیں بلکہ تم تو اسے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ بولا اس لئے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ کا حکم تمہیں یونہی ہے' آپ نے فرمایا' اللہ کی قسم پھر تو

میں ضرور ہی اسے ذبح کر ڈالوں گا - اب ابلیس مایوس ہو گیا -

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اس تمام واقعے کے بعد جناب باری تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے فرمایا کہ ایک دعا تم مجھ سے مانگو - جو مانگو گے ملے گا - حضرت اسحاقؑ نے کہا' پھر میری دعا یہ ہے کہ جس نے تیرے ساتھ شریک نہ کیا ہو' اسے تو ضرور جنت میں لے جانا - رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ میں دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لوں یا تو یہ کہ میری آدھوں آدھ امت بخشی جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں اور اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے تو میں نے شفاعت کرنے کو ترجیح دی اس پر کہ وہ عام ہو گی - ہاں ایک دعا تھی کہ میں وہی کرتا لیکن اللہ کا ایک نیک بندہ مجھ سے پہلے ہی اس دعا کو مانگ چکا تھا - واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے ذبح ہونے کی تکلیف دور کر دی تو ان سے فرمایا گیا کہ تو مانگ - جو مانگے گا' دیا جائے گا - تو حضرت اسحاقؑ نے فرمایا واللہ شیطان کے بہکانے سے پہلے ہی میں اسے مانگ لوں گا' اللہ جو شخص اس حالت میں مرا ہو کہ اس نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو اسے بخش دے اور جنت میں پہنچا دے - یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے لیکن سند اغریب اور منکر ہے اور اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں اور مجھے تو یہ بھی ڈر ہے کہ یہ الفاظ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ سے آخر تک راوی کے اپنے نہ ہوں جنہیں انہوں نے حدیث میں داخل کر دیئے ہیں -

ذبیح اللہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' محل ذبح منیٰ ہے اور وہ مکے میں ہے اور حضرت اسماعیلؑ یہیں تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ - وہ تو شہر کنعان میں تھے جو شام میں ہے - جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بچے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دیتے ہیں' جناب باری سے ندا آتی ہے کہ بس ابراہیمؑ تم اپنے خواب کو پورا کر چکے - سدیؒ سے روایت ہے کہ جب خلیل اللہ نے ذبیح اللہ کے حلق پر چھری پھیری تو گردن تانبے کی ہو گئی اور نہ کٹی اور نہ آواز آئی -

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳۹

اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا ○ ابراہیمؑ پر سلام ہو ○ ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا ○ ہم نے اسے اسحاق نبیؑ کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہو گا ○ اور ہم نے ابراہیم و اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں' ان دونوں کی اولادوں' میں بعض تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی ہیں ○

(آیت: ۱۰۸-۱۱۳) ہم اسی طرح نیک کاروں کو بدلہ دیتے ہیں یعنی سختیوں سے بچا لیتے ہیں اور چھٹکارا کر دیتے ہیں - جیسے فرمایا' اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی صورت نکال ہی دیتا ہے اور اسے ایسی طرح روزی پہنچاتا ہے کہ اس کے گمان و وہم میں بھی نہ ہو - اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے - اللہ اپنے کاموں کو مکمل کر کے چھوڑتا ہے - ہر چیز کا اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے - اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ فعل پر قدرت پانے سے پہلے ہی حکم منسوخ ہو سکتا ہے -

ہاں معتزلہ اسے نہیں مانتے - وجہ استدلال بہت ظاہر ہے اس لئے کہ خلیل اللہ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوتا ہے اور پھر ذبح

سے پہلے ہی فدیئے کے ساتھ منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ صبر کا اور بجا آوری حکم پر مستعدی کا ثواب مرحمت فرما دیا جائے۔ اسی لئے ارشاد ہوا' یہ تو صرف ایک آزمائش تھی۔ کھلا امتحان تھا کہ ادھر حکم ہوا' ادھر تیاری ہوئی۔ اسی لئے جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی تعریف میں قرآن میں ہے' ابراہیم بڑا ہی وفادار تھا۔ بڑے ذبیح کے ساتھ ان کا فدیہ ہم نے دیا۔ سفید رنگ' بڑی آنکھوں اور بڑے سینگوں والا عمدہ خوراک سے پلا ہوا مینڈھا فدیئے میں دیا گیا۔ جو ثبیر ببول کے درخت سے بندھا ہوا ملا۔ جو جنت میں چالیس سال چرتا رہا۔ منیٰ میں ثبیر کے پاس جو چٹان ہے' اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا۔ یہ چیختا ہوا اوپر سے اترا تھا۔ یہی وہ مینڈھا ہے جسے ہابیل نے اللہ کی راہ میں قربان کیا تھا۔ اس کی اون قدرے سرخی مائل تھی۔ اس کا نام جریر تھا۔ بعض کہتے ہیں' مقام ابراہیم پر اسے ذبح کیا۔ کوئی کہتا ہے' منیٰ میں منحر پر۔ ایک شخص نے اپنے تئیں راہ اللہ میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباسؓ نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا تھا لیکن پھر فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑ ذبح کرنے کو کہتا تب بھی کافی تھا کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا فدیہ اسی سے دیا گیا تھا۔ اکثر لوگوں کا یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ پہاڑی بکرا تھا۔ کوئی کہتا ہے نر ہرن تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کو بلا کر حضورؐ نے فرمایا' میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں۔ جاؤ اسے ڈھک دو' بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں' اس بھیڑ کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگی۔ اس میں وہ جل گئے یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر اور مسلسل چلے آئے یہاں تک کہ حضور کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ واللہ اعلم۔

''ان آثار کا بیان جن میں ذبیح اللہ کا نام ہے'' ابومیسرہؒ فرماتے ہیں' حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا' کیا تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے' میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں (عبید بن عمیرؒ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ اے اللہ کیا وجہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر یہ چڑھا ہوا ہے کہ ابراہیمؑ اسمٰعیل اور یعقوب کے اللہ کی قسم' تو جواب ملا اس لئے کہ ابراہیمؑ نے تو ہر ہر چیز پر مجھی کو ترجیح دی اور اسحاق علیہ السلام نے اپنے تئیں میری راہ میں ذبح ہونے کے لئے سپرد کر دیا۔ پھر بھلا اور چیزیں اسے پیش کر دینا کیا مشکل تھیں؟ اور یعقوبؑ کو میں جوں جوں بلاؤں میں ڈالتا گیا' اس کی حسن ظنی میرے ساتھ بڑھتی ہی رہی۔ ابن مسعودؓ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے فخراً اپنے باپ دادوں کا نام لیا تو آپ نے فرمایا' قابل فخر باپ دادا تو حضرت یوسفؑ کے تھے جو یعقوب بن اسحاق اور ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ تھے۔

عکرمہؒ' ابن عباسؓ' خود عباسؓ' علیؓ' سعید بن جبیرؒ' مجاہد' شعبی' عبید بن عمیر' ابومیسرہ' زید بن اسلم' عبداللہ بن شقیق' زہری' قاسم بن ابو برزہ' مکحول' عثمان بن ابی عاص' سدی' حسن' قتادہ' ابوالہذیل' ابن سابط' کعب احبار رحمہم اللہ اجمعین' ان سب کا یہی قول ہے اور ابن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ صحیح علم تو اللہ کو ہی ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب بزرگوں کے استاد حضرت کعب احبار ہیں۔ یہ خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور کبھی کبھی حضرت عمرؓ کو قدیمی کتابوں کی باتیں سناتے تھے' لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کرنی شروع کر دی اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی۔ حق تو یہ ہے کہ اس امت کو اگلی کتابوں کی ایک بات کی بھی حاجت نہیں۔ بغوی نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے کچھ اور نام بھی بتلائے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے۔ اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو جھگڑے کا فیصلہ تھا مگر وہ حدیث صحیح نہیں۔ اس میں دو راوی ضعیف ہیں۔ حسن بن دینار متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہے یہ بھی موقوف' چنانچہ ایک سند سے یہ مقولہ حضرت

ابن عباسؓ کا مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے - واللہ اعلم -

اب ان آثار کو سنئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے اور یہی ٹھیک اور بالکل درست بھی ہے - ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت اسحاقؑ کا نام جھوٹ موٹ لیتے ہیں - ابن عمرؓ مجاہدؒ شعبی ‘ حسن بصری ‘ محمد بن کعب قرظی - خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؒ ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ کے سامنے جب محمد بن قرظیؒ نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کے ذکر کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا ہوگا یعقوبؑ نامی - جب ان کے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت دی گئی تھی پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہونے کے اس سے پیشتر ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا ہے؟

تو حضرت عمرؒ نے فرمایا‘ یہ بہت صاف دلیل ہے - میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گو یہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں - پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا‘ امیر المسلمین سچ تو یہی ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا‘ وہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے‘ اس حسد کے مارے میں یہودیوں نے اسے بدل دیا اور حضرت اسحاقؑ کا نام لے دیا - حقیقی علم اللہ ہی کو ہے - ہمارا ایمان ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ دونوں ہی طاہر و طیب اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے - کتاب الزہد میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؒ نے اپنے والد سے جب یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیلؑ ہی تھے - حضرت علی‘ حضرت ابن عمر ابوالطفیل ‘ سعید بن مسیب‘ سعید بن جبیرؒ حسن‘ مجاہدؒ شعبی ‘ محمد بن کعب‘ ابوجعفر محمد بن علی ابوصالح رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے -

امام بغویؒ نے اور بھی صحابہ اور تابعین کے نام گنوائے ہیں - ایک غریب حدیث بھی اسی کی تائید میں مروی ہے - اس میں ہے کہ شام میں امیر معاویہؓ کے سامنے یہ بحث چھڑی کہ ذبیح اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا‘ خوب ہوا جو یہ معاملہ مجھ جیسے باخبر شخص کے پاس آیا - سنو ہم آنحضرت ﷺ کے پاس تھے جو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا‘ اے اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں کی نسل کے رسولؐ مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دلوایئے اس پر آپ ہنس دیئے - ایک تو ذبیح اللہ حضورؐ کے والد عبداللہ تھے - دوسرے حضرت اسمٰعیلؑ جن کی نسل میں سے آپ ہیں - عبداللہ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو نذر مانی تھی کہ اگر یہ کام آسانی سے پورا ہو گیا تو اپنے ایک لڑکے کو راہ اللہ میں ذبح کروں گا - جب کام ہو گیا اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس بیٹے کو نام اللہ پر کریں تو حضورؐ کے والد عبداللہ کا نام نکلا - ان کی ننھیال والوں نے کہا‘ آپ ان کی طرف سے ایک سو اونٹ راہ اللہ ذبح کر دیں چنانچہ وہ ذبح کر دیئے گئے - اور اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے -

ابن جریر میں یہ روایت موجود ہے اور مغازی امویہ میں بھی امام ابن جریرؒ نے حضرت اسحاقؑ کے ذبیح اللہ ہونے کی ایک دلیل تو یہ پیش کی ہے کہ جس علیم بچے کی بشارت کا ذکر ہے‘ اس سے مراد حضرت اسحاقؑ ہیں - قرآن میں اور جگہ ہے وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ اور حضرت یعقوبؑ کی بشارت کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے - اور ممکن ہے کہ یعقوب کے ساتھ ہی کوئی اور اولاد بھی ہوئی ہو اور کعبۃ اللہ میں سینگوں کی موجودگی کے بارے میں فرماتے ہیں‘ بہت ممکن ہے کہ یہ بلاد کنعان سے لا کر یہاں رکھے گئے ہوں - اور بعض لوگوں سے حضرت اسحاقؑ کے نام کی صراحت بھی آئی ہے لیکن یہ سب باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں - ہاں حضرت اسماعیل

کے ذبیح اللہ ہونے پر محمد بن کعب قرظی کا استدلال بہت صاف اور قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تولد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہاں اس کے بعد ان کے بھائی حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی جا رہی ہے۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ نبیاً حال مقدرہ ہے یعنی وہ نبی صالح ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ذبیح اللہ اسحاق تھے اور یہاں نبوت حضرت اسحاقؑ کی بشارت ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں فرمان ہے کہ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا دیا۔ حالانکہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے تو یہاں بھی ان کی نبوت کی بشارت ہے۔ پس یہ بشارت اس وقت دی گئی جبکہ امتحان ذبح میں وہ صابر ثابت ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ بشارت دو مرتبہ دی گئی۔ پیدائش سے کچھ قبل اور نبوت سے کچھ قبل۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ان پر اور اسحاقؑ پر ہماری برکتیں ہم نے نازل فرمائیں ان کی اولاد میں ہر قسم کے لوگ ہیں۔ نیک بھی بد بھی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمان ہوا تھا کہ اے نوح علیہ السلام ہمارے سلام اور برکت کے ساتھ تو اتر۔ تو بھی اور تیرے ساتھ والے بھی اور ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں ہم فائدے پہنچائیں گے۔ پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچیں گے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

یقیناً ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر بہت بڑا احسان کیا ○ اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی ○ اور ان کی مدد کر کے ان ہی کو غالب کر دیا ○ اور ہم نے انہیں واضح اور روشن کتاب دی ○ اور انہیں سیدھے راستے پر قائم رکھا ○ اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی ○ کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام ہو ○ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں ○ یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ○

حضرت موسیٰؑ پر انعامات الٰہی: ☆☆ (آیت: ۱۱۴-۱۲۲) اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ پر اپنی نعمتیں جتا رہا ہے کہ انہیں نبوت دی انہیں مع ان کی قوم کے فرعون جیسے طاقتور دشمن سے نجات دی جس نے انہیں بے طرح پست و ذلیل کر رکھا تھا' ان کے بچوں کو کاٹ دیتا تھا' ان کی لڑکیوں کو رہنے دیتا تھا۔ ان سے ذلیل مزدوریاں کراتا تھا اور بے حیثیت بنا رکھا تھا۔ ایسے بدترین دشمن کو ان کے دیکھتے ہلاک کیا' انہیں ان پر غالب کر دیا' ان کی زمین و زر کے یہ مالک بن گئے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو واضح' جلی روشن اور بین کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل میں فرق و فیصلہ کرنے والی اور نور و ہدایت والی تھی' ان کے اقوال و افعال میں انہیں استقامت عطا فرمائی۔ اور ان کے بعد والوں میں بھی ان کا ذکر خیر اور ثناء و صفت باقی رکھی۔ کہ ہر زبان ان پر سلام ہی پڑھتی ہے۔ ہم نیک کاروں کو یونہی اور ایسے ہی بدلے دیتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندے تھے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ
اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ
عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

بیشک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے ○ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ○ کیا تم بعل نامی بت سے دعائیں کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ○ جو اللہ تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا پالنہار ہے ○ لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا۔ پس وہ عذابوں میں حاضر کیے جائیں گے ○ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ○ ہم نے الیاس کا ذکر خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا کہ ○ الیاسؑ پر سلام ہو ○ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے ○

حضرت الیاس علیہ السلام: ☆☆ (آیت:۱۲۳-۱۳۲) بعض کہتے ہیں الیاسؑ نام تھا حضرت ادریس علیہ السلام کا- وہب کہتے ہیں' ان کا سلسلہ نسب یوں ہے' الیاس بن نسی بن فخاص بن عیزار بن ہارون بن عمران علیہ السلام- خرقیل علیہ السلام کے بعد یہ بنی اسرائیل میں بھیجے گئے تھے- وہ لوگ بعل نامی بت کے پجاری بن گئے تھے- انہوں نے دعوت اسلام دی- ان کے بادشاہ نے ان سے قبول بھی کر لی لیکن پھر مرتد ہو گیا- اور لوگ بھی سرکشی پر تلے رہے اور ایمان سے انکار کر دیا- آپ نے ان پر بددعا کی- تین سال تک بارش نہ برسی- اب تو یہ سب تنگ آ گئے اور قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کہ آپ دعا کیجئے- بارش برستے ہی ہم سب آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے- چنانچہ آپ کی دعا سے مینہ برسا- لیکن یہ کفار اپنے وعدے سے ٹل گئے اور اپنے کفر پر اڑ گئے- آپ نے یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ اللہ انہیں اپنی طرف لے لے- ان کے ہاتھوں تلے' حضرت یسع بن اخطوب پلے تھے- حضرت الیاس کی اس دعا کے بعد انہیں حکم ملا کہ وہ ایک جگہ جائیں اور وہاں انہیں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں- وہاں آپ گئے' ایک نوری گھوڑا دکھائی دیا' جس پر سوار ہو گئے- اللہ نے انہیں بھی نورانی کر دیا اور اپنے پروں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے اور ایک انسانی فرشتہ زمینی اور آسمانی بن گئے- اس کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے- ہے یہ بات اہل کتاب کی روایت سے- حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو؟ اہل یمن اور قبیلہ ازدشنوہ رب کو بعل کہتے تھے۔ بعل نامی جس بت کی یہ پوجا کرتے تھے' وہ ایک عورت تھی- ان کے شہر کا نام بعلبک تھا- تو اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو خالق کل ہے اور بہترین خالق ہے' ایک بت کو پوج رہے ہو اور اس کو پکارتے رہتے ہو- اللہ تعالیٰ تم سب کا اور تم سے اگلے تمہارے باپ دادوں کا رب ہے' وہی مستحق عبادت ہے' اس کے سوا کسی قسم کی عبادت کسی کے لائق نہیں-

لیکن ان لوگوں نے اللہ کے پیارے نبیؑ کی اس صاف اور خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا تو اللہ نے بھی انہیں عذاب پر حاضر کر دیا کہ قیامت کے دن ان سے زبردست باز پرس اور ان پر سخت عذاب ہوں گے- ہاں ان میں سے جو توحید پر قائم تھے' وہ بچ رہیں گے- ہم نے

حضرت الیاس علیہ السلام کی ثناء جمیل اور ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی ہی رکھا کہ ہر مسلم کی زبان سے ان پر درود وسلام بھیجا جاتا ہے۔ الیاس میں دوسرا لغت الیاسین ہے جیسے اسماعیل میں اسماعین' بنو اسد میں اسی طرح یہ لغت ہے۔ ایک تمیمی کے شعر میں یہ لغت اسی طرح لایا گیا ہے۔ میکائیل کو میکال اور میکائین بھی کہا جاتا ہے۔ ابراہیم کو ابراہام' اسرائیل کو اسرائین' طور سینا کو طورے سینین ۔غرض یہ لغت عرب میں مشہور و رائج ہے۔ ابن مسعود کی قراءت میں سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یَاسِیْنَ ہے۔ بعض کہتے ہیں' اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ ہم اسی طرح نیک کاروں کو نیک بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۳ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳۴ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝۱۳۵ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۱۳۶ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝۱۳۷ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۳۸ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۹ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۴۰

بیشک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے ○ ہم نے انہیں اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی ○ بجز اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ○ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا ○ اور تم تو صبح ہوتے ان کی بستیوں کے پاس سے گذرتے ہو ○ اور رات کو بھی۔ کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ؟ ○ بہ تحقیق یونس نبیوں میں سے ہے ○ جب بھاگ پہنچا بھری کشتی پر ○

قوم لوط علیہ السلام ایک عبرت کا مقام: ☆☆ (آیت:۱۳۳-۱۳۸) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں بھی ان کی قوم نے جھٹلایا جس پر اللہ کے عذاب ان پر برس پڑے اور اللہ نے اپنے پیارے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو مع ان کے گھر والوں کے نجات دے دی۔ لیکن ان کی بیوی غارت ہوئی۔ قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوئی اور ساری قوم بھی تباہ ہوئی۔ قسم قسم کے عذاب ان پر آئے اور جس جگہ وہ رہتے تھے' وہاں ایک بدبودار جھیل بن گئی' جس کا پانی بدمزہ' بدبو' بدرنگ ہے' جو آنے جانے والوں کے راستے میں ہی پڑتی ہے۔ تم تو دن رات وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو اور اس خوفناک منظر اور بھیانک مقام کو صبح شام دیکھتے رہتے ہو۔ کیا اس معائنہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچتے سمجھتے نہیں ہو کہ کس طرح یہ برباد کر دیئے گئے؟ ایسا نہ ہو کہ یہی عذاب تم پر بھی آ جائیں۔

واقعہ حضرت یونس علیہ السلام: ☆☆ (آیت:۱۳۹-۱۴۰) حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورۂ یونس میں بیان ہو چکا ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ کسی بندے کو یہ لائق نہیں کہ وہ کہے' میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔ یہ نام ممکن ہے آپ کی والدہ کا ہو اور ممکن ہے والد کا ہو۔ یہ بھاگ کر مال واسباب سے لدی ہوئی کشتی پر سوار ہو گئے۔ وہاں قرعہ اندازی ہوئی اور یہ مغلوب ہو گئے۔ کشتی کے چلتے ہی چاروں طرف سے موجیں اٹھیں اور سخت طوفان آیا۔ یہاں تک کہ سب کو اپنی موت کا اور کشتی کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ سب آپس میں کہنے لگے کہ قرعہ ڈالو۔ جس کے نام کا قرعہ نکلے' اسے سمندر میں ڈال دو تاکہ سب بچ جائیں اور کشتی اس طوفان سے چھوٹ جائے۔ تین دفعہ قرعہ اندازی ہوئی اور تینوں مرتبہ اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا۔ اہل کشتی آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے لیکن کیا کرتے۔ بار بار کی قرعہ اندازی پر بھی آپ کا نام نکلتا رہا اور خود آپ کپڑے اتار کر باوجود ان لوگوں کے روکنے کے سمندر میں کود پڑے۔ اسی وقت بحر اخضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو جناب باری کا فرمان سرزد ہوا کہ وہ دریاؤں کو چیرتی پھاڑتی جائے اور حضرت یونسؑ کو نگل لے لیکن نہ تو

ان کا جسم زخمی ہو نہ کوئی ہڈی ٹوٹے۔ چنانچہ اس مچھلی نے پیغمبر الٰہی کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی۔ جب حضرت یونسؑ پوری طرح مچھلی کے پیٹ میں جا چکے تو آپ کو خیال گزرا کہ میں مر چکا ہوں لیکن جب ہاتھ پیروں کو حرکت دی اور وہ ہلے جلے تو زندگی کا یقین کر کے وہیں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے پروردگار میں نے تیرے لئے اس جگہ مسجد بنائی ہے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو گا۔ تین دن یا سات دن یا چالیس دن یا ایک دن سے بھی کم یا صرف ایک رات تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿١٤٥﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ ﴿١٤٦﴾ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿١٤٧﴾ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٤٨﴾

پھر قرعہ اندازی ہوئی' یہ مغلوب ہو گئے ○ پھر تو اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگ گئے ○ پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتا ○ تو مردے جلائے جائیں (اٹھائے جائیں) اس دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتا ○ پس اسے ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھا ○ اور اس پر سایہ کرنے والا کدو کی قسم کا ایک درخت ہم نے اگا دیا ○ اور ہم نے اسے ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا ○ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے بھی انہیں ایک زمانہ تک عیش و عشرت دی ○

(آیت: ۱۴۱-۱۴۸) اگر یہ ہماری پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے' یعنی جبکہ فراخی اور کشادگی اور امن و امان کی حالت میں تھے اس وقت ان کی نیکیاں اگر نہ ہوتیں ایک حدیث بھی اس قسم کی ہے جو عنقریب بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے' آرام اور راحت کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو وہ سختی اور بے چینی کے وقت تمہاری مدد کرے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے اگر یہ پابند نماز نہ ہوتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں نماز نہ پڑھتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کے ساتھ ہماری تسبیح نہ کرتے۔ چنانچہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں ہے کہ اس نے اندھیروں میں یہی کلمات کہے اور ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے غم سے نجات دی۔ اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت یونسؑ نے جب مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کو کہا تو یہ دعا عرش الٰہی کے اردگرد منڈلانے لگی اور فرشتوں نے کہا' اللہ یہ آواز تو کہیں بہت ہی دور کی ہے لیکن اس آواز سے ہمارے کان آشنا ضرور ہیں۔ اللہ نے فرمایا' اب بھی پہچان لیا' یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں پہچانا' فرمایا یہ میرے بندے یونسؑ کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا' وہی یونسؑ جس کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ آسمان پر چڑھتی رہتی تھیں؟ اللہ اس پر تو ضرور رحم فرما' اس کی دعا قبول کر' وہ تو آسانیوں میں بھی تیرا نام لیا کرتا تھا۔ اسے بلا سے نجات دے۔ اللہ نے فرمایا' ہاں میں اسے نجات دوں گا۔ چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ میدان میں حضرت یونسؑ کو اگل دے۔ اور اس نے اگل دیا اور وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی نحیفی' کمزوری اور بیماری کی وجہ سے چھاؤں کے لئے کدو کی بیل اگا دی اور ایک جنگلی بکری کو مقرر کر دیا جو صبح شام ان کے پاس آ جاتی تھی اور یہ اس کا دودھ پی لیا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ واقعات مرفوع احادیث سے سورۂ انبیاء کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں- ہم نے انہیں اس زمین میں ڈال دیا جہاں سبزہ' روئیدگی گھاس کچھ نہ تھا- دجلہ کے کنارے یا یمن کی سرزمین پر یہ لا دیئے گئے تھے- وہ اس وقت کمزور تھے جیسے پرندوں کے بچے ہوتے ہیں یا بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے- یعنی صرف سانس چل رہا تھا اور طاقت ہلنے جلنے کی بھی نہ تھی- یقطین کدو کے درخت کو بھی کہتے ہیں اور ہر اس درخت کو جس کا تنا نہ ہو یعنی بیل ہو اور اس درخت کو بھی جس کی عمر ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتی- کدو میں بہت سے فوائد ہیں- یہ بہت جلد اگتا اور بڑھتا ہے- اس کے پتوں کا سایہ گھنا اور فرحت بخش ہوتا ہے کیونکہ وہ بڑے بڑے ہوتے ہیں اور اس کے پاس مکھیاں نہیں آتیں- یہ غذا کا کام دے جاتا ہے اور چھلکے اور گودے سمیت کھایا جاتا ہے- صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کدو یعنی گھیا بہت پسند تھا اور برتن میں سے چن چن کر اسے کھاتے تھے-

پھر انہیں ایک لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف رسالت کے ساتھ بھیجا گیا- ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس سے پہلے آپ رسولؑ نہ تھے- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے ہی آپ اس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے- دونوں قولوں سے اس طرح تضاد اٹھ سکتا ہے کہ پہلے بھی ان کی طرف بھیجے گئے تھے- اب دوبارہ بھی ان ہی کی طرف بھیجے گئے اور وہ سب ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی- بغویؒ کہتے ہیں' مچھلی کے پیٹ سے نجات پانے کے بعد دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے تھے- یہاں او معنی میں بلکہ کے ہے اور وہ ایک لاکھ تیس ہزار یا اس سے بھی کچھ اوپر- یا ایک لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ یا ستر ہزار سے بڑھ کر- یا ایک لاکھ دس ہزار اور ایک غریب مرفوع حدیث کی رو سے ایک لاکھ بیس ہزار تھے- یہ مطلب بھی بیان کیا گیا کہ انسانی اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ ہی کا تھا- ابن جریرؒ کا یہی مسلک ہے اور یہی مسلک ان کا آیت اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً اور آیت اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً اور آیت اَوْ اَدْنٰى میں ہے یعنی اس سے کم نہیں' اس سے زائد ہے- پس قوم یونسؑ سب کی سب مسلمان ہو گئی' حضرت یونسؑ کی تصدیق کی اور اللہ پر ایمان لے آئے- ہم نے بھی ان کے مقررہ وقت یعنی موت کی گھڑی تک دنیوی فائدے دیئے- اور آیت میں ہے' کسی بستی کے ایمان نے انہیں (عذاب آ چکنے کے بعد) نفع نہیں دیا سوائے قوم یونسؑ کے' وہ جب ایمان لائے تو ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لئے اور انہیں ایک معیاد معین تک بہرہ مند کیا-

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ
اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾
وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾
مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ
سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ
الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا
عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

ان سے دریافت تو کر کہ کیا تیرے رب کی تو بیٹیاں ہیں؟ اور ان کے بیٹے ہیں؟ ○ یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مونث پیدا کیا ہے؟ ○ آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی افتراپردازی سے کہہ رہے ہیں ○ کہ اللہ کی اولاد ہے یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں ○ کیا اللہ نے اپنے لئے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی؟ ○ تمہیں کیا ہوگیا ہے' کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ ○ کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ ○ یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے؟ ○ تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ ○ ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی ہے- حالانکہ خود جنات یقین رکھتے ہیں کہ اس عقیدے کے لوگ عذابوں کے سامنے یقیناً پیش کیے جائیں گے ○ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں' اس سے اللہ بالکل پاک ہے ○ ہاں اللہ کے مخلص بندے ○

مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے لئے دوہرا معیار: ☆☆ (آیت:۱۴۹-۱۶۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں کی بیوقوفی بیان فرما رہا ہے کہ اپنے لئے تو لڑکے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لئے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں- اگر لڑکی ہونے کی خبر یہ پائیں تو چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں اور اللہ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں- پس فرماتا ہے' ان سے پوچھ تو سہی کہ یہ تقسیم کیسی ہے کہ تمہارے تو لڑکے ہوں اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہوں؟ پھر فرماتا ہے کہ یہ فرشتوں کو لڑکیاں کس ثبوت پر کہتے ہیں؟ کیا ان کی پیدائش کے وقت وہ موجود تھے- قرآن کی اور آیت وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ میں بھی یہی بیان ہے- دراصل یہ قول ان کا محض جھوٹ ہے کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے- وہ اولاد سے پاک ہے- پس ان لوگوں کے تین جھوٹ اور تین کفر ہوئے- اول تو یہ کہ فرشتے اللہ کی اولاد ہیں- دوسرے یہ کہ اولاد بھی لڑکیاں- تیسرے یہ کہ خود فرشتوں کی عبادت شروع کر دی-

پھر فرماتا ہے کہ آخر کس چیز نے اللہ کو مجبور کیا کہ اس نے لڑکے تو لئے نہیں اور لڑکیاں اپنی ذات کے لئے پسند فرمائیں؟ جیسے اور آیت میں ہے کہ تمہیں تو لڑکوں سے نوازے اور فرشتوں کو اپنی لڑکیاں بنائے- یہ تو تمہاری نہایت درجہ کی لغویات ہے- یہاں فرمایا' کیا تمہیں عقل نہیں جو ایسی دوراز قیاس باتیں بناتے ہو؟ تم سمجھتے نہیں ہو کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا کیسا برا ہے؟ اچھا اگر کوئی دلیل تمہارے پاس ہو تو لاؤ' اسی کو پیش کرو- یا اگر کسی آسمانی کتاب سے تمہارے اس قول کی سند ہو اور تم سچے ہو تو لاؤ اسی کو سامنے لے آؤ- یہ تو ایسی لچر اور فضول بات ہے جس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو ہی نہیں سکتی- اتنے ہی پر بس نہ کی' جنات میں اور اللہ میں بھی رشتے داری قائم کی- مشرکوں کے اس قول پر کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں- حضرت صدیق اکبرؓ نے سوال کیا کہ پھر ان کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا جن سرداروں کی لڑکیاں- حالانکہ خود جنات کو اس کا یقین وعلم ہے کہ اس قول کے قائل قیامت کے دن عذابوں میں مبتلا کیے جائیں گے- ان میں بعض دشمنان الٰہی تو یہاں تک کم عقلی کرتے تھے کہ شیطان بھی اللہ کا بھائی ہے- نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ اس سے بہت پاک' منزہ اور بالکل دور ہے جو یہ مشرک اس کی ذات پر اتہام لگاتے ہیں اور جھوٹے بہتان باندھتے ہیں- اس کے بعد استثناء منقطع ہے اور ہے مثبت مگر اس صورت میں کہ يَصِفُوْنَ کی ضمیر کا مرجع تمام لوگ قرار دیئے جائیں- پس ان میں سے ان لوگوں کو الگ کر لیا جو حق کے ماتحت ہیں اور تمام نبیوں رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں- امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ سے ہے یعنی سب کے سب عذاب میں پھانس لئے جائیں گے مگر وہ بندگان اللہ جو اخلاص والے تھے- یہ قول ذرا تامل طلب ہے- واللہ اعلم-

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ
صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا
لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا
لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۶۹ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۷۰

یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے سارے معبودان ○ باطل کسی ایک کو بھی بہکا نہیں سکتے ○ بجز اس کے جو جہنمی ہی ہے ○ فرشتوں کا قول ہے کہ ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے ○ اور ہم تو بندگی الٰہی میں صف بستہ کھڑے ہیں ○ اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں ○ یہ کفار تو کہا کرتے تھے کہ ○ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات ہوتے ○ تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے چیدہ بندے بن جاتے ○ لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے۔ پس اب عنقریب جان لیں گے ○

فرشتوں کے اوصاف: ☆☆ (آیت: ۱۶۱-۱۷۰) اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرما رہا ہے کہ تمہاری گمراہی اور شرک و کفر کی تعلیم وہی قبول کریں گے جو جہنم کے لئے پیدا کئے گئے ہوں' جو عقل سے خالی' کانوں سے بہرے اور آنکھوں کے اندھے ہوں جو مثل چوپایوں کے بلکہ ان سے بھی بدر جہا بدتر ہوں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے کہ اس سے وہی گمراہ ہو سکتے ہیں جو دماغ کے خالی اور باطل کے شیدائی ہوں۔ ازاں بعد فرشتوں کی برات اور ان کی تسلیم و رضا' ایمان و اطاعت کا ذکر فرمایا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر جگہ اور ایک مقام عبادت مخصوص ہے جس سے نہ ہم ہٹ سکتے ہیں نہ اس میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ حضور ؐ کا فرمان ہے کہ آسمان چرچرا رہا ہے اور واقع میں اسے چرچرانا بھی چاہیے۔ اس میں ایک قدم رکھنے جتنی جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع سجدے میں پڑا ہوا نہ ہو۔ پھر آپ ؐ نے ان تینوں آیتوں کی تلاوت کی۔ ایک روایت میں آسمان دنیا کا لفظ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' ایک بالشت بھر جگہ آسمانوں میں ایسی نہیں جہاں پر کسی نہ کسی فرشتے کے قدم یا پیشانی نہ ہو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' پہلے تو مرد عورت ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد مردوں کو آگے بڑھا دیا گیا اور عورتوں کو پیچھے کر دیا گیا اور ہم سب فرشتے صف بستہ عبادت الٰہی کیا کرتے ہیں۔ آیت وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا کی تفسیر میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ ولید بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے تک نماز کی صفیں نہیں تھیں۔ پھر صفیں مقرر ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ اقامت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے' صفیں ٹھیک درست کر لو سیدھے کھڑے ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرح صف بندی چاہتا ہے۔ جیسے وہ فرماتے ہیں وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ اے فلاں آگے بڑھ' اے فلاں پیچھے ہٹ۔ پھر آپ آگے بڑھ کر نماز شروع کرتے (ابن ابی حاتم) صحیح مسلم میں ہے' حضور ؐ فرماتے ہیں' ہمیں تین فضیلتیں ایسی دی گئی ہیں جن میں اور کوئی ہمارے ساتھ نہیں۔ ہماری صفیں فرشتوں جیسی بنائی گئیں۔ ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی۔ اور ہمارے لئے زمین کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی۔ ہم اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ اس کی بزرگی اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ تمام نقصانوں سے اسے پاک مانتے ہیں۔ ہم سب فرشتے اس کے غلام ہیں۔ اس کے محتاج ہیں۔ اس کے سامنے اپنی پستی اور عاجزی کا اظہار کرنے والے ہیں۔ پس یہ تینوں اوصاف فرشتوں کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تسبیح کرنے والوں سے مراد نماز پڑھنے والے ہیں۔

اور آیت میں ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ الخ یعنی کفار نے کہا' اللہ کی اولاد ہے' اللہ اس سے پاک ہے البتہ فرشتے اس کے محترم بندے ہیں۔ اس کے فرمان سے آگے نہیں بڑھتے' اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں' وہ ان کا آگا پیچھا بخوبی جانتا ہے۔ وہ کسی کی شفاعت کا بھی اختیار نہیں رکھتے بجز اس کے جس کے لئے رحمان راضی ہو' وہ تو خوف الٰہی سے تھرتھراتے رہتے ہیں۔ ان میں سے جو اپنے آپ کو لائق عبادت کہے' ہم اسے جہنم میں جھونک دیں' ظالموں کی سزا ہمارے ہاں یہی ہے۔ نبی ؐ ان کے پاس آئے' اس سے پہلے تو یہ کہتے

تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی آ جائے جو ہمیں اللہ کی راہ کی تعلیم دیتا اور ہمارے سامنے اگلے لوگوں کے واقعات بطور نصیحت پیش کرتا اور ہمارے پاس کتاب اللہ لے آتا تو یقیناً ہم مخلص مسلمان بن جاتے - جیسے آیت میں ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ الخ یعنی بڑی پختہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر کوئی نبی اللہ ہماری موجودگی میں آ جائیں تو ہم بڑے نیک بن جائیں گے اور ہدایت کی راہ کی طرف سب سے پہلے دوڑیں گے لیکن جب نبی اللہ آ گئے تو بھاگ کھڑے ہوئے - اور آیت میں فرمایا اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الخ پس یہاں فرمایا کہ جب یہ تمنا پوری ہوئی تو کفر کرنے لگے - اب انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سے کفر کرنے کا اور نبی کو جھٹلانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے ○ کہ وہی مظفر و منصور ہوں گے ○ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا ○

عذاب الٰہی آ کر رہے گا: ☆☆ (آیت:۱۷۱-۱۷۹) ارشاد باری ہے کہ ہم تو اگلی کتابوں میں بھی لکھ آئے ہیں - پہلے نبیوں کی زبانی بھی دنیا کو سنا چکے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے رسول اور ان کے تابعداروں ہی کا انجام بہتر ہوتا ہے جیسے فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ الخ اور فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ یعنی میں میرے رسول اور ایماندار ہی دونوں جہان میں غالب رہیں گے - یہاں بھی یہی فرمایا کہ رسولوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ منصور ہیں - ہم خود ان کی مدد کریں گے - دیکھتے چلے آؤ کہ ان کے دشمن کس طرح خاک میں ملا دیئے گئے؟ یاد رکھو ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا - انجام کار انہی کے ہاتھ رہے گا - تو ایک وقت مقررہ تک صبر و استقامت سے معاملہ دیکھتا رہ ان کی ایذاؤں پر صبر کر - ہم تجھے ان سب پر غالب کر دیں گے - دنیا نے دیکھ لیا کہ یہی ہوا بھی - تو انہیں دیکھتا رہ کہ کس طرح اللہ کی پکڑ ان پر نازل ہوتی ہے؟ اور کس طرح یہ ذلت و توہین کے ساتھ پکڑ لئے جاتے ہیں؟ یہ خود ان تمام رسوائیوں کو ابھی ابھی دیکھ لیں گے - تعجب سا تعجب ہے کہ یہ طرح طرح کے چھوٹے چھوٹے عذابوں کی گرفت کے باوجود ابھی تک بڑے عذاب کو محال جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کب آئے گا؟ پس انہیں جواب ملتا ہے کہ جب عذاب ان کے میدانوں میں، محلوں میں، انگنائیوں میں آئے گا وہ دن ان پر بڑا ہی بھاری دن ہوگا - یہ ہلاک اور برباد کر دیئے جائیں گے -

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ خیبر کے میدانوں میں حضورؐ کا لشکر صبح ہی صبح کفار کی بے خبری میں پہنچ گیا - وہ لوگ حسب عادت اپنی کھیتیوں کے آلات لے کر شہر سے نکلے اور اس اللہ کی فوج کو دیکھ کر بھاگے اور شہر والوں کو خبر کی - اس وقت آپؐ نے یہی فرمایا کہ اللہ بہت بڑا ہے - خیبر خراب ہوا - ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر آتے ہیں اس وقت ان کی درگت ہوتی ہے - پھر دوبارہ پہلے حکم کی تاکید کی کہ تو ان سے ایک مدت معین تک کے لئے بے پرواہ ہو جا اور انہیں چھوڑ دے اور دیکھتا رہ یہ بھی دیکھ لیں گے -

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾ ع۵

اب تو کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لے ○ اور انہیں دیکھتا رہ' یہ بھی آگے چل کر دیکھ لیں گے ○ کیا یہ ہمارے عذابوں کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ○ سنو جب ہمار عذاب ان کے میدانوں میں اتر آئے گا' اس وقت ان کی جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا' بڑی بری صبح ہوگی ○ تو کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دے اور دیکھتا رہ ○ یہ بھی ابھی دیکھ لیں گے ○ پاک ہے تیرا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس چیز سے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں ○ پیغمبروں پر سلام ہے ○ اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے ○

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بہتانات سے مبرا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۸۰-۱۸۲) اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے اپنی برات بیان فرماتا ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جیسے اولاد شریک وغیرہ۔ وہ بہت بڑی اور لازوال عزت والا ہے۔ ان جھوٹے اور مفتری لوگوں کے بہتان سے وہ پاک اور منزہ ہے۔ اللہ کے رسولوں پر سلام ہے اس لئے کہ ان کی تمام باتیں ان عیوب سے مبرا ہیں جو مشرکوں کی باتوں میں موجود ہیں بلکہ نبیوں کی باتیں اور اوصاف جو وہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بیان کرتے ہیں' سب صحیح اور برحق ہیں۔ اسی کی ذات کے لئے تمام حمد و ثناء ہے۔ دنیا اور آخرت میں ابتدا اور انتہا کا وہی سزاوار تعریف ہے۔ ہر حال میں قابل حمد وہی ہے۔ تسبیح سے' ہر طرح کے نقصان سے اس کی ذات پاک سے دوری ثابت ہوتی ہے' تو ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کے کمالات کی مالک اس کی ذات واحد ہے۔ اسی کو صاف لفظوں میں حمد ثابت کیا۔ تاکہ نقصانات کی نفی اور کمالات کا اثبات ہو جائے۔ ایسے ہی قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں تسبیح اور حمد کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' تم جب مجھ پر سلام بھیجو' دوسرے نبیوں پر بھی سلام بھیجو کیونکہ میں بھی منجملہ اور نبیوں میں سے ایک نبی ہی ہوں (ابن ابی حاتم) یہ حدیث مسند میں بھی مروی ہے۔ ابو یعلیٰ کی ایک ضعیف حدیث میں ہے' جب حضور ﷺ سلام کا ارادہ کرتے تو ان تینوں آیتوں کو پڑھ کر سلام کرتے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' جو شخص یہ چاہے کہ بھرپور پیمانے سے ناپ کر اجر پائے تو وہ جس کسی مجلس میں ہو' وہاں سے اٹھتے ہوئے یہ تینوں آیتیں پڑھ لے۔ اور سند سے یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔ طبرانی کی حدیث میں ہے' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ ان تینوں آیتوں کی تلاوت کرے' اسے بھرپور اجر پورے پیمانے سے ناپ کر ملے گا۔ مجلس کے کفارے کے بارے میں بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ یہ پڑھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ الحمد للہ سورۂ الصافات کی تفسیر ختم ہوئی' فالحمد للہ۔

تفسیر سورة ص

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿٢﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾

معبود مہربان ذی رحم کے نام سے شروع

اس نصیحت والے قرآن کی قسم ○ بلکہ کفار غرور ومخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ○ اور ہم نے ان سے پہلے بھی بہت سے قرنوں کو تباہ کر ڈالا۔ انہوں نے ہر چند چیخ وپکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا وقت ہی نہ تھا ○

(آیت:۱-۳) حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں' ان کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن کی قسم کھائی اور اسے پند و نصیحت کرنے والا فرمایا۔ کیونکہ اس کی باتوں پر عمل کرنے والے کی دین و دنیا دونوں سنور جاتی ہیں۔ اور آیت میں ہے فِيهِ ذِكْرُكُمْ اس قرآن میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ قرآن شرافت و بزرگی' عزت وعظمت والا ہے۔ اب اس قسم کا جواب بعض کے نزدیک تو اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ الخ ہے۔ بعض کہتے ہیں اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ الخ ہے۔ لیکن یہ زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اس کا جواب اس کے بعد کی آیت ہے۔ ابن جریرؒ اسی کو مختار بتاتے ہیں۔ بعض عربی داں کہتے ہیں' اس کا جواب ص ہے اور اس لفظ کے معنی صداقت اور حقانیت کے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ پوری سورۃ کا خلاصہ اس قسم کا جواب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے' یہ قرآن تو سراسر عبرت و نصیحت ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں ایمان ہے۔ کافر لوگ اس فائدے سے اس لئے محروم ہیں کہ وہ متکبر ہیں اور مخالف ہیں۔ یہ لوگ اپنے سے پہلے اور اپنے جیسے لوگوں کے انجام پر نظر ڈالیں تو اپنے انجام سے ڈریں۔ اگلی امتیں اسی جرم پر ہم نے تہہ و بالا کر دی ہیں۔ عذاب آ پڑنے کے بعد تو بڑے روئے پیٹے' خوب آہ و زاری کی لیکن اس وقت کی تمام باتیں بے سود ہیں۔ جیسے فرمایا فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ الخ ہمارے عذابوں کو معلوم کر کے ان سے بچنا اور بھاگنا چاہا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اب بھاگنے کا وقت نہیں' نہ فریاد کا وقت ہے' اس وقت کوئی فریادرسی نہیں کر سکتا۔ چاہے جتنا چیخو چلاؤ محض بے سود ہے۔ اب توحید کی قبولیت بے نفع' توبہ بیکار ہے۔ یہ بے وقت کی پکار ہے۔ لَاتَ معنی میں لا کے ہے۔ اس میں ''ت'' زائد ہے جیسے ثم میں بھی ''ت'' زیادہ ہوتی ہے اور ربت میں بھی۔ یہ مفصولہ ہے اور اس پر وقف ہے۔ امام ابن جریرؒ کا قول ہے کہ یہ ''ت'' حین سے ملی ہوئی ہے یعنی وَلَا تَحِيْنُ ہے' لیکن مشہور اول ہی ہے۔ جمہور نے حِيْنَ کو زبر سے پڑھا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ وقت آہ و زاری کا وقت نہیں۔ بعض نے یہاں زیر پڑھنا بھی جائز رکھا ہے۔ لغت میں نوص کہتے ہیں پیچھے ہٹنے کو اور بوص کہتے ہیں آگے بڑھنے کو۔ پس مقصد یہ ہے کہ یہ وقت بھاگنے اور نکل جانے کا وقت نہیں۔ واللہ الموفق۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ایک سمجھانے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے ○ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی

معبود کر دیا؟ واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے ○ ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ جاؤ اپنے معبودوں پر جمے رہو یقیناً یہ تو کوئی مطلب و مراد ہے ○ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی۔ کچھ نہیں یہ تو صرف گھڑنت ہے ○

مشرکین کا نبی اکرمؐ پر تعجب: ☆☆ (آیت:۴-۷) حضور علیہ السلام کی رسالت پر کفار کے حماقت آمیز تعجب کا اظہار ہو رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا الخ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ان میں سے ایک انسان کی طرف ہم نے وحی کی تا کہ وہ لوگوں کو ہوشیار کر دے اور ایمانداروں کو اس بات کی خوش خبری سنا دے کہ اس کے پاس ان کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ کافر تو ہمارے رسول کو کھلا جادوگر کہنے لگے۔ یہیں پر یہ ذکر ہے کہ انہی میں سے انہی جیسے ایک انسان کے رسول بن کر آنے پر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور کذاب ہے۔ رسولؐ کی رسالت پر تعجب کے ساتھ ہی اللہ کی وحدانیت پر بھی انہیں تعجب معلوم ہوا اور کہنے لگے کہ اور سنو! اتنے سارے معبودوں کے بدلے یہ تو کہتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے اور اس کا کوئی کسی طرح کا شریک ہی نہیں۔ ان بیوقوفوں کو اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی جس شرک و کفر کی عادت تھی اس کے خلاف آواز سن کر ان کے دل دکھنے اور رکنے لگے اور وہ توحید کو ایک انوکھی اور انجان چیز سمجھنے لگے۔ ان کے بڑوں اور سرداروں نے تکبر کے ساتھ منہ موڑتے ہوئے اعلان کیا کہ اپنے قدیمی مذہب پر جمے رہو۔ اس کی بات نہ مانو اور اپنے معبودوں کی عبادت کرتے رہو۔ یہ تو صرف اپنے مطلب کی باتیں کہتا ہے۔ یہ اس بہانے اپنی جما رہا ہے کہ یہ تمہارا سب کا بڑا بن جائے اور تم اس کے تابع فرمان ہو جاؤ۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار قریشیوں کے شریف اور سردار رؤسا ایک مرتبہ جمع ہوئے۔ ان میں ابو جہل بن ہشام عاص بن وائل، اسود بن المطلب، اسود بن عبد یغوث وغیرہ بھی تھے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ چل کر آج ابو طالب سے آخری فیصلہ کر لیں۔ وہ انصاف کے ساتھ ایک بات ہمارے ذمہ ڈال دے اور ایک اپنے بھتیجے کے ذمے۔ کیونکہ یہ اب انتہائی عمر کو پہنچ چکے ہیں، چراغ سحری ہو رہے ہیں، اگر مر گئے اور ان کے بعد ہم نے محمد (ﷺ) کو کوئی مصیبت پہنچائی تو عرب میں طعنہ دیں گے کہ بڈھے کی موجودگی تک تو کچھ نہ چلی اور ان کی موت کے بعد بہادری آ گئی۔ چنانچہ ایک آدمی بھیج کر ابو طالب سے اجازت مانگی۔ ان کی اجازت پر سب گھر میں گئے اور کہا سنئے جناب! آپ ہمارے سردار ہیں، بزرگ ہیں بڑے ہیں۔ ہم آپ کے بھتیجے سے اب بہت تنگ آ گئے ہیں۔ آپ انصاف کے ساتھ ہم میں اور اس میں فیصلہ کر دیجئے۔ دیکھئے ہم آپ سے انصاف چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور نہ ہم انہیں ستائیں۔ وہ مختار ہیں، جس کی چاہیں عبادت کریں لیکن ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ابو طالب نے آدمی بھیج کر اللہ کے رسول ﷺ کو بلوایا اور کہا جان پدر، دیکھتے ہو آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ سب جمع ہوئے ہیں اور آپ سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کی توہین اور برائی کرنے سے باز آ جائیں اور یہ آپ کو آپ کے دین پر چلنے میں آزادی دے رہے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا، چچا جان کیا میں انہیں بہترین اور بڑی بھلائی کی طرف نہ بلاؤں؟ ابو طالب نے کہا، وہ کیا ہے؟ فرمایا، یہ ایک کلمہ کہہ دیں، صرف اس کے کہنے کی وجہ سے سارا عرب ان کے ماتحت ہو جائے گا اور سارے عجم پر ان کی حکومت ہو جائے گی۔ ابو جہل ملعون نے سوال کیا کہ اچھا بتاؤ، وہ ایسا کون سا کلمہ ہے؟ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بس یہ سننا تھا کہ شور و غل کر دیا اور کہنے لگے، اس کے سوا جو تو مانگے، ہم دینے کو تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، اگر تم سورج کو بھی لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو تو بھی تو تم سے اس کلمے کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ سارے کے سارے مارے غصے اور غضب کے بھنا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، واللہ ہم تجھے اور تیرے اللہ کو گالیاں دیں گے جس نے تجھے یہ حکم دیا ہے۔ اب یہ چلے اور ان کے سردار یہ کہتے رہے کہ جاؤ اپنے دین پر

اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو- معلوم ہو گیا کہ اس شخص کا تو ارادہ ہی اور ہے- یہ تو بڑا بننا چاہتا ہے (ابن ابی حاتم وغیرہ)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کے بھاگ جانے کے بعد حضورؐ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ ہی اس کلمے کو پڑھ لیجئے- اس نے کہا' نہیں میں تو اپنے باپ دادوں اور قوم کے بڑوں کے دین پر ہی رہوں گا- اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا کہ جسے تو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا- اور روایت میں ہے کہ اس وقت ابو طالب بیمار تھے اور اسی وجہ سے وہ مرا بھی- جس وقت حضورؐ تشریف لائے' اس وقت ابو طالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ خالی تھی- باقی تمام گھر آدمیوں سے بھرا ہوا تھا تو ابوجہل خبیث نے خیال کیا کہ اگر آپؐ آ کر اپنے چچا کے پاس بیٹھ گئے تو زیادہ اثر ڈال سکیں گے اس لئے یہ ملعون کود کر وہاں جا بیٹھا اور حضورؐ کو دروازہ کے پاس ہی بیٹھنا پڑا- حضورؐ نے جب ایک کلمہ کہنے کو کہا تو سب نے جواب دیا کہ ایک نہیں دس- ہم سب منتظر ہیں- فرمایئے وہ کیا کلمہ ہے؟ اور جب کلمہ توحید آپؐ کی زبانی سنا تو کپڑے جھاڑتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے لو اور سنو' یہ تو سارے معبودوں کا ایک معبود بنا رہا ہے- اس پر یہ آیتیں عذاب تک اتریں- امام ترمذیؒ اس روایت کو حسن کہتے ہیں-

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ
ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَاۗىِٕنُ
رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ
مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱

یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر کلام الٰہی نازل کیا جائے؟ دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہی ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اب تک میرے عذاب چکھے ہی نہیں ○ یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں؟ ○ یا کیا آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت انہی کی ہے؟ تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں ○ یہ بھی بڑے بڑے لشکروں میں سے شکست پایا ہوا چھوٹا سا لشکر ہے ○

(آیت: ۸-۱۱) ہم نے تو یہ بات نہ اپنے دین میں دیکھی نہ نصرانیوں کے دین میں- یہ بالکل غلط اور جھوٹ اور بے سند بات ہے- یہ کیسے کچھ تعجب کی بات ہے کہ اللہ میاں کو کوئی اور نظر ہی نہ آیا اور اس پر قرآن اتار دیا- جیسے ایک اور آیت میں ان کا قول ہے لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ اتارا گیا؟ جس کے جواب میں جناب باری کا ارشاد ہوا کہ کیا یہ لوگ رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے ہیں؟ یہ تو اس قدر محتاج ہیں کہ ان کی اپنی روزیاں اور درجے بھی ہم تقسیم کرتے ہیں- الغرض یہ اعتراض بھی ان کی حماقت کا غرہ تھا- اللہ فرماتا ہے' یہ ہے ان کے شک کا نتیجہ- اور وجہ یہ ہے کہ اب تک یہ چکنی چپڑی کھاتے رہے ہیں- ہمارے عذابوں سے سابقہ نہیں پڑا- کل قیامت کے دن جبکہ دھکے دے کر جہنم میں گرائے جائیں گے' اس وقت اپنی اس سرکشی کا مزہ پائیں گے- پھر اللہ تعالیٰ اپنا قبضہ اور اپنی قدرت ظاہر فرماتا ہے کہ جو وہ چاہے کرے' جسے چاہے جو چاہے دے' عزت ذلت اس کے ہاتھ ہے' ہدایت و ضلالت اس کی طرف سے ہے- وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی نازل فرمائے اور جس کے دل پر چاہے اپنی مہر لگا دے- بندوں کے اختیار میں کچھ نہیں' وہ محض بے بس بالکل لاچار اور سراسر مجبور ہیں- اسی لئے فرمایا کیا ان کے پاس

اس بلند جناب غالب وہاب اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یعنی نہیں ہیں- جیسے فرمایا اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ الخ اگر اللہ کی حکمرانی کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ بخیل تو کسی کو ٹکڑا بھی نہ کھانے دیتے- یا انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں اللہ کا فضل دیکھ کر حسد آ رہا ہے؟ ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب وحکمت اور بہت بڑی سلطنت دی تھی- ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور بعض ایمان سے رکے رہے جو بھڑکتی جہنم کے لقمے بنیں گے- وہ آگ ہی انہیں کافی ہے-

اور آیت میں ہے قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِكُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّىۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَكۡتُمۡ خَشۡيَةَ الۡاِنۡفَاقِ‌ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا یعنی اگر میرے رب کی رحمتوں کے خزانے تمہاری ملکیت میں ہوتے تو تم تو کمی سے ڈر کر خرچ کرنے سے رک جاتے- انسان ہے ہی ناشکرا- قوم صالحؑ نے بھی اپنے نبیؑ سے یہی کہا تھا کہ اُلۡقِىَ الذِّكۡرُ عَلَيۡهِ مِنۡۢ بَيۡنِنَا الخ کیا ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر ذکر اتارا گیا؟ نہیں بلکہ یہ کذاب اور شریر ہے- اللہ فرماتا ہے' کل معلوم کر لیں گے کہ ایسا کون ہے؟ پھر فرمایا' کیا زمین آسمان اور اس کے درمیان کی چیزوں پر ان کا اختیار ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر آسمانوں کی راہوں پر چڑھ جائیں- ساتویں آسمان پر پہنچ جائیں- یہ یہاں کا لشکر بھی عنقریب ہزیمت و شکست اٹھائے گا اور مغلوب و ذلیل ہوگا- جیسے اور بڑے بڑے بڑے گروہ حق سے ٹکرائے اور پاش پاش ہو گئے' جیسے اور آیت میں ہے اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ الخ یعنی کیا ان کا قول ہے کہ ہم بڑی جماعت ہیں اور ہم ہی فتح یاب رہیں گے؟ سنو انہیں ابھی ابھی شکست فاش ہوگی اور پیٹھ دکھاتے ہوئے بزدلی کے ساتھ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوں گے- چنانچہ بدر والے دن اللہ کی فرماں روائی نے اللہ کی باتوں کی سچائی انہیں اپنی آنکھوں سے دکھائی- اور ابھی ان کے عذابوں کے وعدے کا دن تو آخرت کا دن ہے جو سخت' کڑوا اور نہایت دہشت ناک اور وحشت والا ہے-

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوۡدُ
وَقَوۡمُ لُوۡطٍ وَّاَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ‌ ؕ اُولٰٓئِكَ الۡاَحۡزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنۡ كُلٌّ
اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا ع ۱۴ ۱۰
صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ
لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۱۶﴾

ان سے پہلے بھی قوم نوح نے اور عادیوں نے اور میخوں والے فرعون نے جھٹلایا تھا ○ اور ثمودیوں نے اور قوم لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں نے بھی- یہی بڑے بڑے لشکر تھے ○ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو پس میری طرف کی سزا ان پر ثابت ہوگئی ○ انہیں صرف ایک تند نعرے کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے ○ کہنے لگے کہ ہماری سرنوشت تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی دے دے ○

گذشتہ مغرور قوموں کا انجام: ☆☆ (آیت: ۱۲-۱۶) ان سب کے واقعات کئی مرتبہ بیان ہو چکے ہیں کہ کس طرح ان پر ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب ٹوٹ پڑے- یہی وہ جماعتیں ہیں جو مال واولاد میں' قوت وطاقت میں' زور وزر میں' تمہارے زمانہ کے ان کٹر کافروں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں لیکن امر الٰہی کے آ چکنے کے بعد انہیں کوئی چیز کام نہ آئی- پھر ان کی تباہی کی وجہ بھی بیان ہوئی کہ یہ رسولوں کے دشمن تھے- انہیں جھوٹا کہتے تھے- انہیں صرف صور کا انتظار ہے اور اس میں بھی کوئی دیر نہیں- بس وہ ایک آواز ہوگی کہ جس کے

کان میں پڑی' بے ہوش و بے جان ہو گیا۔ سوائے ان کے جنہیں رب نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

قِطّ کے معنی کتاب اور حصے کے ہیں۔ مشرکین کی بیوقوفی اور ان کا عذابوں کو محال سمجھ کر نڈر ہو کر عذابوں کے طلب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا' اللہ اگر یہ صحیح ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی دردناک عذاب آسمانی ہمیں پہنچا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا جنت کا حصہ یہاں طلب کیا اور یہ جو کچھ کہا' یہ بہ وجہ اسے جھوٹا سمجھنے اور محال جاننے کے تھا۔ ابن جریرؒ کا فرمان ہے کہ جس خیر و شر کے وہ دنیا میں مستحق تھے' اسے انہوں نے جلد طلب کیا۔ یہی بات ٹھیک ہے۔ ضحاک اور اسماعیل کی تفسیر کا ماحصل بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب اور ہنسی کے مقابلے میں اپنے نبیؐ کو صبر کی تعلیم دی اور برداشت کی تلقین کی۔

اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾
اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ ﴿ۙ۱۸﴾ وَ الطَّیۡرَ
مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَ شَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَ اٰتَیۡنٰہُ
الۡحِکۡمَۃَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾

تو ان کی باتوں پر صبر کر اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کر جو بڑی قوت والا تھا۔ یقیناً وہ بہت رجوع رہنے والا تھا ○ ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں ○ اور اڑتے جانور جمع ہو کر' سب کے سب اس کے زیر فرمان رہتے ○ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ سمجھا دیا تھا ○

حضرت داؤد علیہ السلام کی فراست : ☆☆ (آیت : ۱۷-۲۰) ذَا الۡاَیۡدِ سے مراد علمی اور عملی قوت والا ہے۔ اور صرف قوۃ والے کے معنی بھی ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰہَا بِاَیۡدٍ الخ مجاہدؒ فرماتے ہیں' مراد اطاعت کی طاقت ہے۔ حضرت داؤدؑ کو عبادت کی قدرت اور اسلام کی فقہ عطا فرمائی گئی تھی۔ یہ مذکور ہے کہ آپ ہر رات تہائی رات تک تہجد میں کھڑے رہتے تھے اور ایک دن بعد ایک دن ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤدؑ کی رات کی نماز اور انہی کے روزے تھے۔ آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ رات کا پھر سو جاتے' اور ایک دن روزہ رکھتے' ایک دن نہ رکھتے۔ اور دشمنان دین سے جہاد کرنے میں پیٹھ نہ دکھاتے اور اپنے ہر حال میں اللہ کی طرف رغبت و رجوع رکھتے۔ پہاڑوں کو ان کے ساتھ مسخر کر دیا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ سورج کے چمکنے کے وقت اور دن کے آخری وقت تسبیح بیان کرتے۔ جیسے فرمان ہے یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ یعنی اللہ نے پہاڑوں کو ان کے ساتھ رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ سی طرح پرندے بھی آپ کی آواز سن کر آپ کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرنے لگ جاتے' اڑتے ہوئے پرند پاس سے گزرتے اور آپ توراۃ پڑھتے ہوتے تو آپ کے ساتھ ہی وہ بھی تلاوت میں مشغول ہو جاتے اور اڑنا بھول جاتے بلکہ ٹھہر جاتے۔ حضورؐ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کے وقت حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں آٹھ رکعت نماز ادا کی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے' کہ یہ بھی وقت نماز ہے جیسے فرمان ہے یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ایک دن میں انہیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ ان سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی۔ تو مائی صاحبہؓ نے فرمایا' فتح مکہ

والے دن میرے گھر میں میرے پاس اللہ کے رسول ﷺ آئے۔ پھر ایک برتن میں پانی بھروایا اور ایک کپڑا تان کر نہانے بیٹھ گئے۔ پھر گھر کے ایک کونے میں پانی چھڑک کر آٹھ رکعت صلوٰۃ ضحیٰ کی ادا کیں' ان کا قیام' رکوع' سجدہ اور جلوس سب قریب قریب برابر تھے۔ حضرت ابن عباسؓ جب یہ سن کر وہاں سے نکلے تو فرمانے لگے' پورے قرآن کو میں نے پڑھ لیا لیکن میں نہیں جانتا کہ ضحیٰ کی نماز کیا ہے؟ آج مجھے معلوم ہوا کہ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ والی آیت میں بھی اشراق سے مراد یہی ضحیٰ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا۔ جب حضرت داؤدؑ اللہ کی پاکیزگی اور بزرگی بیان فرماتے تو پرندے بھی ہواؤں میں رک جاتے تھے اور حضرت داؤدؑ کی ماتحتی میں ان کی تسبیح کا ساتھ دیتے تھے اور اس کی سلطنت ہم نے مضبوط کر دی اور بادشاہوں کو جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے' ہم نے اسے سب دے دیں۔ چار ہزار تو ان کی محافظ سپاہ تھی۔ اس قدر فوج تھی کہ ہر رات تینتیس ہزار فوجی پہرے پر چڑھتے تھے لیکن جو آج کی رات آتے' پھر سال بھر تک ان کی باری نہ آتی۔ چالیس ہزار آدمی ہر وقت ان کی خدمت میں مسلح تیار رہتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے زمانے میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں میں ایک مقدمہ ہوا۔ ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ دوسرے نے اس جرم سے انکار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے دلیل طلب کی' وہ کوئی گواہ پیش نہ کر سکا' آپؑ نے فرمایا' اچھا تمہیں کل فیصلہ سنایا جائے گا۔ رات کو حضرت داؤدؑ کو خواب میں حکم ہوا کہ دعوے دار کو قتل کر دو۔ صبح آپ نے دونوں کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس مدعی کو قتل کر دیا جائے۔

اس نے کہا' اے اللہ کے نبی آپ میرے ہی قتل کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ اس نے میری گائے چرا لی ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ میرا حکم نہیں' یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور ناممکن ہے کہ یہ ٹل جائے۔ تو تیار ہو جا۔ تب اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں اپنے دعوے میں تو سچا ہوں' اس نے میری گائے غصب کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے قتل کا حکم میرے اس مقدمے کی وجہ سے نہیں کیا۔ اس کی وجہ اور ہی ہے اور اسے صرف میں ہی جانتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آج میں نے اسے فریب سے قتل کر دیا ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ پس اس کے بدلے میں اللہ نے آپ کو قصاص کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ اب تو حضرت داؤدؑ کی ہیبت ہر شخص کے دل میں بیٹھ گئی۔ ہم نے اسے حکمت دی تھی یعنی فہم و عقل' زیرکی اور دانائی۔ عدل و فراست کتاب اللہ اور اس کی اتباع نبوت و رسالت وغیرہ۔ اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ۔ یعنی گواہ لینا' قسم کھلوانا۔ مدعی کے ذمہ بار ثبوت ڈالنا' مدعی علیہ سے قسم لینا۔ یہی طریقہ فیصلوں کا' انبیاء کا اور نیک لوگوں کا رہا اور یہی طریقہ اس امت میں رائج ہے۔ غرض حضرت داؤدؑ معاملے کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اور حق و باطل' سچ جھوٹ میں' صحیح اور کھرے کا امتیاز کر لیتے تھے۔ کلام بھی آپ کا صاف ہوتا تھا اور حکم بھی عدل پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ ہی نے اما بعد کا کہنا ایجاد کیا ہے۔ اور فصل الخطاب سے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا
عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا
عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى
سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۗ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۗ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر ہوئی جبکہ وہ دیوار پھاند کر عبادت کی جگہ آ گئے ○ جب یہ حضرت داؤد کے پاس پہنچے' یہ ان سے ڈر گئے' انہوں نے کہا' خوف نہ کیجئے' ہم دونوں آپس ہی میں جھگڑا اور زیادتی کر رہے ہیں۔ آپ ہمارے درمیان حق فیصلہ کر دیجئے' ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے ○ سنئے یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس تو ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے اور مجھ پر بڑی تیزی اور سختی برتتا ہے ○

(آیت: ۲۱-۲۵) مفسرین نے یہاں پر ایک قصہ بیان کیا ہے لیکن اس کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کی روایتوں سے لیا گیا ہے۔ حدیث سے ثابت نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ایک حدیث ہے لیکن وہ بھی ثابت نہیں کیونکہ اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے گو وہ نہایت نیک شخص ہے لیکن ہے ضعیف۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ قرآن میں جو ہے اور جس پر یہ شامل ہے' وہ حق ہے۔ حضرت داؤدؑ کا انہیں دیکھ کر گھبرانا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی تنہائی کے خاص خلوت خانے میں تھے اور پہرہ داروں کو منع کیا تھا کہ کوئی بھی آج اندر نہ آئے اور یکا یک ان دونوں کو جو دیکھا تو گھبرا گئے۔ عزنی الخ' سے مطلب بات چیت میں غالب آ جانا' دوسرے پر چھا جانا ہے۔ حضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے پس وہ رکوع سجدہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف جھک پڑے۔ مذکور ہے کہ چالیس دن تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ پس ہم نے اسے بخش دیا۔ یہ یاد رہے کہ جو کام عوام کے لئے نیکیوں کے ہوتے ہیں' وہی کام خواص کے لئے بعض مرتبہ بدیوں کے بن جاتے ہیں۔ یہ آیت سجدے کی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت امام شافعیؒ کا جدید مذہب تو یہ ہے کہ یہاں سجدہ ضروری نہیں۔ یہ تو سجدہ شکر ہے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ص ضروری سجدوں میں سے نہیں۔ ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (بخاری وغیرہ) نسائی میں ہے کہ حضورؐ نے یہاں سجدہ کر کے فرمایا' یہ سجدہ حضرت داؤدؑ کا تو توبہ کے لئے تھا اور ہمارا شکر کے لئے ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا' یا رسول اللہؐ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِیْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَّ اجْعَلْهَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّضَعْ بِهَا عَنِّیْ وِزْرًا وَّاقْبَلْهَا مِنِّیْ كَمَا قَبِلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ یعنی اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر اور خزانے کا سبب بنا اور اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤدؑ کے سجدے کو قبول فرمایا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدے میں وہی دعا پڑھی جو اس شخص نے درخت کی دعا نقل کی تھی۔ ابن عباسؓ اس آیت

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

آپ نے فرمایا' اس کا اپنی اتنی دنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بیشک ایک ظلم ہے' اور اکثر ساجھی اور شریک ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے پر ظلم وستم کرتے ہیں' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں اور حضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے ○ پھر تو

اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے اور پوری طرح رجوع ہو گئے۔ پس ہم نے بھی اسے وہ معاف کر دیا' یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں ○

کے سجدے پر یہ دلیل وارد کرتے تھے کہ قرآن نے فرمایا ہے' اس کی اولاد میں سے داؤد و سلیمانؑ ہیں جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی۔ پس تو اے نبیؐ ان کی ہدایت کی پیروی کر' پس حضورؐ ان کی اقتداء کے مامور تھے اور یہ صاف ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور حضورؐ نے بھی یہ سجدہ کیا۔ ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں سورۂ ص لکھ رہا ہوں جب آیت سجدہ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلم اور دوات اور میرے آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضورؐ سے بیان کیا۔ پھر آپؐ اس آیت کی تلاوت کے وقت برابر سجدہ کرتے رہے (احمد)

ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ نے منبر پر سورۂ ص پڑھی اور سجدے کی آیت تک پہنچ کر منبر سے اتر کر آپؐ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ ہی اور سب نے بھی سجدہ کیا۔ ایک مرتبہ اور آپ نے اسی سورت کی تلاوت کی جب آیت سجدہ تک پہنچے تو لوگوں نے سجدے کی تیاری کی آپؐ نے فرمایا یہ تو ایک نبی کی توبہ کا سجدہ تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہو چنانچہ آپؐ اترے اور سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' ہم نے اسے بخش دیا۔ قیامت کے دن اس کی بڑی منزلت اور قدر ہو گی۔ نبیوں اور عادلوں کا درجہ وہ پائیں گے۔ حدیث میں ہے' عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے۔ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل و عیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں' عدل و انصاف کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے' سب سے زیادہ اللہ کے دوست اور سب سے زیادہ اس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں اور سب سے زیادہ دشمن اور سب سے سخت عذاب والے وہ ہوں گے جو ظالم بادشاہ ہوں۔ (ترمذی وغیرہ) حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں' قیامت کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اے داؤد جس پیاری دردناک میٹھی اور جاذب آواز سے تم میری تعریفیں دنیا میں کرتے تھے' اب بھی کرو۔ آپ فرمائیں گے باری تعالیٰ اب وہ آواز کہاں رہی؟ اللہ فرمائے گا' میں نے وہی آواز آج تمہیں پھر عطا فرمائی۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی دلکش اور دلربا آواز نکال کر نہایت وجد کی حالت میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں گے جسے سن کر جنتی اور نعمتوں کو بھی بھول جائیں گے اور یہ سریلی آواز اور نورانی گلا انہیں سب نعمتوں سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرے گا۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع ۱۲

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا دیا۔ تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں راہ الٰہی سے بھٹکا دے گی' یقیناً جو لوگ راہ الٰہی سے بھٹک جاتے ہیں' ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے ○

صاحب اختیار لوگوں کے لئے انصاف کا حکم: ☆☆ (آیت:۲۶) اس آیت میں بادشاہ اور ذی اختیار لوگوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ

عدل وانصاف کے ساتھ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کیا کریں ورنہ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور جو بھٹک کر اپنے حساب کے دن کو بھول جائے، وہ سخت عذابوں میں مبتلا ہوگا۔ حضرت ابوزرعہ رحمتہ اللہ علیہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا خلیفہ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا سچ بتادوں۔ خلیفہ نے کہا۔ضرور سچ ہی بتاؤ اور آپ کو ہر طرح امن ہے۔فرمایا، اے امیر المومنین اللہ کے نزدیک آپ سے بہت بڑا درجہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ انہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی لیکن اس کے باوجود کتاب اللہ ان سے کہتی ہے یَا دَاوٗدُ اِنَّا الخ،

عکرمہ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب کو سخت عذاب ہیں ان کے بھول جانے کے باعث۔سدیؒ کہتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو باطل اور ناحق پیدا نہیں کیا، یہ گمان تو کافروں کا ہے، سو کافروں کے لئے خرابی ہے آگ کی ○ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ان کے برابر کردیں گے جو ہمیشہ زمین میں فساد مچاتے رہے؟ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کردیں گے؟ ○ یہ بابرکت کتاب جو ہم نے تیری طرف اس لئے نازل فرمائی ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غوروفکر کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں ○

(آیت: ۲۷-۲۹) ارشاد ہے کہ مخلوق کی پیدائش عبث اور بیکار نہیں۔ یہ سب عبادت خالق کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پھر ایک وقت آنے والا ہے کہ ماننے والوں کی سربلندی کی جائے اور نہ ماننے والوں کو سخت سزادی جائے۔ کافروں کا خیال ہے کہ ہم نے انہیں یونہی پیدا کردیا ہے؟ دار آخرت اور دوسری زندگی کوئی چیز نہیں یہ غلط ہے۔ ان کافروں کو قیامت کے دن بڑی خرابی ہوگی کیونکہ اس آگ میں انہیں جلنا پڑے گا جو ان کے لئے اللہ کے فرشتوں نے بڑھکا رکھی ہے۔ یہ ناممکن ہے اور ان ہونی بات ہے کہ مومن ومفسد کو اور پرہیزگار اور بدکار کو ایک جیسا کردیں۔ اگر قیامت آنے والی ہی نہ ہوتو تو یہ دونوں انجام کے لحاظ سے یکساں ہی رہے۔ حالانکہ یہ خلاف انصاف ہے قیامت ضرور آئے گی نیک کار جنت میں اور گنہگار جہنم میں جائیں گے۔ پس عقلی اقتضا بھی دار آخرت کے ثبوت کو ہی چاہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم پاپی اللہ کی درگاہ سے راندہ ہوا دنیا میں خوش وقت ہے مال اولاد فراغت تندرستی سب کچھ اس کے پاس ہے اور ایک مومن متقی پاک دامن ایک ایک پیسے سے تنگ ایک ایک راحت سے دور ہے۔ تو حکمت علیم وحکیم وعادل کا اقتضاء یہ تھا کہ کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ اس نمک حرام سے اس کی نمک حرامی کا بدلہ لیا جائے اور اس صابر وشاکر فرمانبردار کی نیکیوں کا اسے بدلہ دیا جائے۔ اور یہی دار آخرت میں ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس جہان کے بعد ایک جہان یقیناً ہے- چونکہ یہ پاک تعلیم قرآن سے ہی حاصل ہوئی ہے اور اس نیکی کا رہبر یہی ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل فرمائی ہے تا کہ لوگ اسے سمجھیں اور ذی عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کر سکیں- حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں' جس نے قرآن کے الفاظ حفظ کر لئے اور قرآن پر عمل نہیں کیا' اس نے قرآن میں تدبر و غور بھی نہیں کیا- لوگ کہتے ہیں' ہم نے پورا قرآن پڑھ لیا لیکن قرآن کی ایک نصیحت یا قرآن کے ایک حکم کا نمونہ ان میں نظر نہیں آتا- ایسا نہ چاہیے- اصل غور و خوض اور نصیحت و عبرت عمل ہے-

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝

ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ نامی فرزند عطا فرمایا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع رہنے والا تھا ○ ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خاصے کے گھوڑے پیش کئے گئے ○ تو کہنے لگے' میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی' یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا ○ ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ' پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ○

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث : ☆☆ (آیت: ۳۰-۳۳) اللہ تعالیٰ نے جو ایک بڑی نعمت حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی' اس کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی نبوت کا وارث ان کے لڑکے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کر دیا- اسی لئے صرف حضرت سلیمانؑ کا ذکر کیا ورنہ ان کے اور بچے بھی تھے- ایک سو عورتیں آپ کی لونڈیوں کے علاوہ تھیں- چنانچہ اور آیت میں ہے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ یعنی حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے یعنی نبوت آپ کے بعد انہیں ملی- یہ بھی بڑے اچھے بندے تھے یعنی خوب عبادت گزار تھے اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے- مکحولؒ کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبی نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں- پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ کی طرف سکینت اور ایمان- پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ جواب ملا' اللہ کی رحمت- پوچھا سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا' اللہ کا لوگوں سے درگزر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا (ابن ابی حاتم) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کی بادشاہت کے زمانے میں ان کے گھوڑے پیش کئے گئے- یہ بہت تیز رفتار تھے جو تین ٹانگوں پر کھڑے رہتے تھے اور ایک پیر یونہی ساز مین پر نکلتا تھا- ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پر دار گھوڑے تھے- تعداد میں بیس تھے- ابراہیم تیمی نے گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار بتلائی ہے- واللہ اعلم-

ابوداؤد میں ہے' حضورؐ تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے' گھر میں تشریف فرما تھے جو تیز ہوا کے جھونکے سے گھر کے کونے کا پردہ ہٹ گیا- وہاں حضرت عائشہؓ کی کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں- حضورؐ کی نظر بھی پڑ گئی- دریافت کیا' یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا' میری گڑیاں ہیں- آپ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے' جس کے دو پر بھی کپڑے کے لگے ہوئے ہیں- پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گھوڑا ہے' فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف کپڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ دونوں اس کے پر ہیں- فرمایا اچھا گھوڑا اور اس کے پر

بھی؟ صدیقہؓ نے عرض کیا' کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے پردار گھوڑے تھے' یہ سن کر حضورؐ ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے دیکھنے بھالنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز کا خیال ہی نہ رہا۔ بالکل بھول گئے۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام جنگ خندق والے دن لڑائی کی مشغولیت کی وجہ سے عصر کی نماز نہ پڑھ سکے تھے اور مغرب کے بعد ادا کی۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار قریش کو برا کہتے ہوئے حضورؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے' حضورؐ میں تو عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ آپؐ نے فرمایا' میں بھی اب تک ادا نہیں کر سکا۔ چنانچہ ہم بطحان میں گئے۔ وہاں وضو کیا اور سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سلیمانؑ میں جنگی مصالح کی وجہ سے تاخیر نماز جائز ہو اور یہ جنگی گھوڑے تھے جنہیں اسی مقصد سے رکھا تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا بھی ہے کہ صلوٰۃ خوف کے جاری ہونے سے پہلے یہی حال تھا۔ بعض کہتے ہیں' جب تلواریں تنی ہوئی ہوں' لشکر بھڑ گئے ہوں اور نماز کے لئے رکوع و سجود کا امکان ہی نہ ہو تب یہ حکم ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تستر کی فتح کے بعد موقعہ پر کیا تھا لیکن ہمارا پہلا قول ہی ٹھیک ہے اس لئے کہ اس کے بعد ہی حضرت سلیمانؑ کا ان گھوڑوں کو دوبارہ طلب کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ انہیں واپس منگوا کر ان کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا' میرے رب کی عبادت سے مجھے اس چیز نے غافل کر دیا۔ میں ایسی چیز ہی نہیں رکھنے کا۔ چنانچہ ان کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور ان کی گردنیں ماری گئیں۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرا۔

امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلاوجہ جانوروں کو ایذا پہنچانی ممنوع ہے۔ ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو انہیں کٹوا دیتے لیکن میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ بات ان کی شرع میں جائز ہو خصوصاً ایسے وقت جبکہ وہ یاد اللہ میں حارج ہوئے اور وقت نماز نکل گیا تو دراصل یہ غصہ بھی اللہ کے لئے تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان گھوڑوں سے بھی تیز اور ہلکی چیز اللہ نے اپنے نبیؑ کو عطا فرمائی یعنی ہوا ان کے تابع کر دی۔ حضرت ابوقتادہؓ اور حضرت ابودھماؒ اکثر حج کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ہماری ایک بدوی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی۔ اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا اللہ تجھے اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

ہم نے سلیمانؑ کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا۔ پھر اس نے رجوع کیا ○ کہا کہ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی شخص کے لائق نہ ہو تو بڑا ہی دینے والا ہے ○

سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ: ☆☆ (آیت: ۳۴-۴۰) ہم نے حضرت سلیمانؑ کا امتحان لیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' یعنی شیطان۔ پھر وہ اپنے تخت و تاج کی طرف لوٹ آئے۔ اس شیطان کا نام صخر تھا یا آصف تھا یا صرو تھا یا حقیق تھا۔ یہ واقعہ اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ کسی نے تفصیل کے ساتھ' کسی نے اختصار کے ساتھ۔ حضرت قتادہؒ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کو بیت المقدس کی تعمیر کا اس طرح حکم ہوا کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنی جائے۔ آپ نے ہر چند تدبیریں کیں' لیکن کارگر نہ ہوئیں۔ پھر آپ نے سنا کہ سمندر میں ایک شیطان ہے جس کا نام صخر ہے۔ وہ البتہ ایسی ترکیب بتا سکتا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے کسی طرح لاؤ۔ ایک دریا سمندر میں ملتا تھا۔ ہر ساتویں دن اس میں لبالب پانی آجاتا تھا اور یہی پانی یہ شیطان پیتا تھا۔ اس کا پانی نکال دیا گیا اور بالکل خالی کر کے پانی کو بند کر کے اس کے آنے والے دن اسے شراب سے پر کر دیا گیا۔ جب یہ شیطان آیا اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگا' یہ تو مزے کی چیز ہے لیکن عقل کی دشمن' جہالت کو ترقی دینے والی چیز ہے۔ چنانچہ وہ پیاسا ہی چلا گیا۔ جب پیاس کی شدت ہوئی تو مجبوراً یہ سب کچھ کہتے ہوئے پینا ہی پڑا۔ اب عقل جاتی رہی اور اسے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی دکھائی گئی یا مونڈھوں کے درمیان اس سے مہر لگا دی گئی۔ یہ بے بس ہو گیا۔ حضرت سلیمانؑ کی حکومت اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی۔ جب یہ حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے یہ کام سرانجام دینے کا حکم دیا۔ یہ ہدہد کے انڈے لے آیا اور انہیں جمع کر کے ان پر شیشہ رکھ دیا۔ ہدہد آیا۔ اس نے اپنے انڈے دیکھے۔ چاروں طرف گھوما لیکن دیکھا کہ ہاتھ نہیں آسکتے اڑ کر واپس چلا گیا اور الماس لے آیا اور اسے اس شیشے پر رکھ کر شیشے کو کاٹنا شروع کر دیا آخر وہ کٹ گیا اور ہدہد اپنے انڈے لے گیا اور اس الماس کو بھی لے لیا گیا اور اسی سے پتھر کاٹ کاٹ کر عمارت شروع ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلا میں یا حمام میں جاتے تو انگوٹھی اتار جاتے۔ ایک دن حمام میں جانا تھا اور یہ شیطان آپ کے ساتھ تھا آپ اس وقت فرضی غسل کے لئے جا رہے تھے۔ انگوٹھی اسی کو سونپ دی اور چلے گئے۔ اس نے انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور شیطان پر حضرت سلیمانؑ کی شکل ڈال دی گئی اور آپ سے تخت و تاج چھن گیا۔ سب چیزوں پر شیطان نے قبضہ کر لیا سوائے آپ کی بیویوں کے۔ اب اس سے بہت سی غیر معروف باتیں ظہور میں آنے لگیں۔ اس زمانہ میں ایک صاحب تھے جو ایسے ہی تھے جیسے حضورؐ کے زمانہ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ۔ اس نے کہا آزمائش کرنی چاہیے۔ مجھے تو یہ شخص سلیمانؑ معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک روز اس نے کہا' کیوں جناب اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور موسم ذرا ٹھنڈا ہو اور وہ سورج طلوع ہونے تک غسل نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ چالیس دن تک یہ تخت سلیمانؑ پر رہا۔ پھر آپ کو مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی مل گئی۔ ہاتھ میں ڈالتے ہی پھر تمام چیزیں آپ کی مطیع ہو گئیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک سو بیویاں تھیں۔ آپ کو سب سے زیادہ اعتبار ان میں سے ایک بیوی پر تھا جن کا نام جراوہ تھا۔ جب جنبی ہوتے یا پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی انہی کو سونپ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ پاخانے گئے۔ پیچھے سے ایک شیطان آپ ہی کی صورت بنا کر آیا اور بیوی صاحبہ سے انگوٹھی طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ یہ آتے ہی تخت پر بیٹھ گیا۔ جب حضرت سلیمانؑ آئے اور انگوٹھی طلب کی تو بیوی صاحبہؓ نے فرمایا' آپ انگوٹھی تو لے گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے۔ نہایت پریشان حالی سے محل سے نکل گئے۔ اس شیطان نے چالیس دن تک حکومت کی لیکن احکام کی تبدیلی کو دیکھ کر علماء نے سمجھ لیا کہ یہ سلیمان نہیں۔ چنانچہ ان کی جماعت آپ کی بیویوں کے پاس آئی اور ان سے کہا' یہ کیا معاملہ ہے۔ ہمیں سلیمان کی ذات میں شک پڑ گیا ہے۔ اگر یہ سچ مچ سلیمان ہے تو اس کی عقل جاتی رہی ہے یا یہ کہ یہ سلیمان ہی نہیں۔ ورنہ ایسے خلاف شرع احکام نہ دیتا۔ عورتیں یہ سن کر رونے لگیں۔ یہ یہاں سے واپس آ گئے اور تخت کے اردگرد اسے گھیر کر بیٹھ گئے اور تورات کھول کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ یہ خبیث شیطان کلام اللہ سے بھاگا اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی جسے ایک مچھلی نگل گئی۔ حضرت سلیمانؑ یونہی اپنے دن گزارتے تھے۔

ایک مرتبہ سمندر کے کنارے نکل گئے۔ بھوک بہت لگی ہوئی تھی' ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑتے ہوئے دیکھ کر ان کے پاس آ کر ان

سے ایک مچھلی مانگی اور اپنا نام بھی بتایا' اس پر بعض لوگوں کو بڑا طیش آیا کہ دیکھو بھیک منگا اپنے تئیں سلیمان بتاتا ہے۔ انہوں نے آپ کو مارنا پیٹنا شروع کیا۔ آپ زخمی ہو کر کنارے جا کر اپنے زخم کا خون دھونے لگے۔ بعض ماہی گیروں کو رحم آ گیا کہ ایک سائل کو خواہ مخواہ مارا۔ جاؤ بھئی اسے بھی دو۔ مچھلیاں دے آؤ۔ بھوکا ہے۔ بھون کھائے گا۔ چنانچہ وہ دو مچھلیاں آپ کو دے آئے' بھوک کی وجہ سے آپ اپنے زخم کو اور خون کو تو بھول گئے اور جلدی سے مچھلی کا پیٹ چاک کرنے بیٹھ گئے۔ قدرت الٰہی سے اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکلی۔ آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور انگوٹھی انگلی میں ڈال لی۔ اسی وقت پرندوں نے آ کر آپ پر سایہ کر لیا اور لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور آپ سے معذرت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا' یہ سب امر الٰہی تھا۔ اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ آپ آئے۔ اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس شیطان کو جہاں بھی وہ ہو' گرفتار کر لاؤ چنانچہ اسے قید کر لیا گیا۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کیا اور قفل لگا کر اس پر اپنی مہر لگا دی اور سمندر میں پھنکوا دیا جو قیامت تک وہیں قید رہے گا۔ اس کا نام حقیق تھا۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٠﴾ ع

پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا۔ وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے بہ نرمی پہنچا دیا کرتی تھی ○ اور طاقتور جنات کو بھی ان کا ماتحت کر دیا ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو ○ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے ○ یہ ہے ہمارا عطیہ۔ اب تو احسان کر یا روک رکھ' کچھ حساب نہیں ○ ان کے لئے ہمارے پاس بڑا نزدیکی کا مرتبہ ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے ○

آپ کی یہ دعا کہ مجھے ایسا ملک عطا فرمایا جائے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو' یہ بھی پوری ہوئی اور آپ کے تابع ہوائیں کر دی گئیں۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ایک شیطان سے جس کا نام آصف تھا' ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح فتنے میں ڈالتے ہو؟ اس نے کہا' ذرا مجھے انگوٹھی دکھاؤ' میں ابھی آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ آپؑ نے انگوٹھی دے دی' اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا' تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا اور آپ کے لباس میں لوگوں کو راہ اللہ سے ہٹانے لگا۔'' یاد رہے کہ یہ سب واقعات بنی اسرائیل کے بیان کردہ ہیں' اور ان سب سے زیادہ منکر واقعہ وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے جس کا اوپر بیان ہوا جس میں آپ کی بیوی صاحبہ حضرت جرادہ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آخر نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ لڑکے آپ کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کی بیویوں سے جب علماء نے معاملہ کی تفتیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں بھی اس کے سلیمان ہونے سے انکار ہے کیونکہ وہ حالت حیض میں ہمارے پاس آتا ہے۔ شیطان کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ راز کھل گیا ہے تو اس نے جادو اور کفر کی کتابیں لکھوا کر کرسی تلے دفن کر دیں اور پھر لوگوں کے سامنے انہیں نکلوا کر ان سے کہا' دیکھو ان کتابوں کی بدولت سلیمان تم پر حکومت کر رہا تھا چنانچہ لوگوں نے آپ کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ سمندر کے کنارے مزدوری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بہت سی مچھلیاں خریدیں' مزدور کو بلایا' آپ پہنچے' اس نے کہا' یہ اٹھا لو۔ پوچھا مزدوری کیا دو گے؟ اس نے کہا اس میں سے ایک مچھلی تجھے دے دوں گا۔ آپ نے ٹوکرا سر پر رکھا۔ اس کے ہاں پہنچایا۔ اس نے ایک مچھلی دے دی۔ آپ نے

اس کا پیٹ چاک کیا۔ پیٹ چاک کرتے ہی وہ انگوٹھی نکل پڑی' پہنتے ہی کل شیاطین' جن' انسان پھر تابع ہو گئے' اور جھرمٹ باندھ کر حاضر ہو گئے۔ آپ نے ملک پر قبضہ کیا اور اس شیطان کو سخت سزا دی۔ پس ثُمَّ اَنَابَ سے مراد شیطان جو مسلط کیا گیا تھا' اس کا لوٹنا ہے۔ اس کی اسناد حضرت ابن عباسؓ تک ہے تو قوی لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسے حضرت ابن عباسؓ نے اہل کتاب سے لیا ہے' یہ بھی اس وقت جبکہ اسے ابن عباسؓ کا قول مان لیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت حضرت سلیمانؑ کو نبی نہیں مانتی تھی تو عجب نہیں کہ یہ بے ہودہ قصہ اسی خبیث جماعت کا گھڑا ہوا ہو۔ اس میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو بالکل ہی منکر ہیں خصوصاً اس شیطان کا آپ کی عورتوں کے پاس جانا۔ دوسرے ائمہ نے بھی ایسے ہی قصے بیان تو کئے ہیں لیکن اس بات کا سب نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جن ان کے پاس نہیں جا سکا اور نبی کے گھرانے کی عورتوں کی عصمت و شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن سب کی اصل یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیبانیؒ فرماتے ہیں' آپ نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تھی اور بیت المقدس تک تو اضعاً آپ پیدل چلے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے صفت سلیمان میں حضرت کعب احبارؒ سے ایک عجیب خبر روایت کی ہے۔ ابو اسحاق مصری کہتے ہیں کہ جب ارم ذات العماد کے قصے سے حضرت کعبؒ نے فراغت حاصل کی تو حضرت معاویہؓ نے کہا' ابو اسحاق آپ حضرت سلیمانؑ کی کرسی کا ذکر بھی کیجئے۔ فرمایا کہ وہ ہاتھی دانت کی تھی۔ دریا' قوت' زبرجد اور لُؤلُؤ سے مُرصّع تھی اور اس کے چاروں طرف سونے کے کھجور کے درخت بنے ہوئے تھے جن کے خوشے بھی موتیوں کے تھے۔ ان میں سے جو دائیں جانب تھے' ان کے سرے پر سونے کے مور تھے اور بائیں طرف والوں پر سونے کے گدھ تھے۔ اس کرسی کے پہلے درجے پر دائیں جانب سونے کے دو درخت صنوبر کے تھے اور بائیں جانب سونے کے دو شیر بنے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر زبرجد کے دو ستون تھے اور کرسی کے دونوں جانب انگور کی سنہری بیلیں تھیں جو کرسی کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ اس کے خوشے بھی سرخ موتی کے تھے۔ پھر کرسی کے اعلیٰ درجے پر دو شیر بہت بڑے سونے کے بنے ہوئے تھے جن کے اندر خول تھا ان میں مشک و عنبر بھرا رہتا تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ کرسی پر آتے تو یہ شیر حرکت کرتے اور ان کے گھومنے سے ان کے اندر سے مشک و عنبر چاروں طرف چھڑک دیا جاتا' پھر دو منبر سونے کے اور بچھائے جاتے جن پر بنو اسرائیل کے قاضی' ان کے علماء اور ان کے سردار بیٹھتے۔ ان کے پیچھے پینتیس منبر سونے کے اور ہوتے تھے جو خالی رہا کرتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ جب تشریف لاتے' پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی کرسی ان تمام چیزوں سمیت گھوم جاتی شیر اپنا داہنا قدم آگے بڑھا دیتا اور گدھ اپنا دایاں پر۔ جب آپ تیسرے درجے پر چڑھ جاتے اور کرسی پر بیٹھ جاتے تو ایک بڑا گدھ آپ کا تاج لے کر آپ کے سر پر رکھتا۔ پھر کرسی زور زور سے گھومتی۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا' آخر اس کی کیا وجہ؟ فرمایا' وہ ایک سونے کی لاٹ پر تھی جسے صخر جن نے بنایا تھا۔ اس کے گھومتے ہی نیچے والے مور گدھ وغیرہ سب اوپر آ جاتے اور سر جھکاتے' پر پھڑ پھڑاتے جس سے آپ کے جسم پر مشک و عنبر کا چھڑکاؤ ہو جاتا۔ پھر ایک سونے کا کبوتر تورات اٹھا کر آپ کے ہاتھ میں دیتا جسے آپ تلاوت فرماتے۔ لیکن یہ روایت بالکل غریب ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ایسا ملک دے کہ مجھ سے کوئی اور چھین نہ سکے جیسے کہ اس جسم کا واقعہ ہوا جو آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ دوسروں کے لئے ایسے ملک کے نہ ملنے کی دعا کرتے ہوں۔ لیکن جن بعض لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں وہ کچھ ٹھیک نہیں آتے' بلکہ صحیح مطلب یہی ہے کہ آپ کی دعا کا یہی مطلب تھا کہ مجھے ایسا ملک اور سلطنت دی جائے کہ میرے بعد پھر کسی اور شخص کو ایسی سلطنت نہ ملے۔ یہی آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اور یہی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ صحیح بخاری شریف

میں ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا' ایک سرکش جن نے گذشتہ شب مجھ پر زیادتی کی اور میری نماز بگاڑ دینا چاہی لیکن اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے اس ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم سب اسے دیکھو لیکن اسی وقت مجھے میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا یاد آ گئی- راوی حدیث حضرت روح فرماتے ہیں' پھر حضورؐ نے اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑ دیا- ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نماز میں کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا کہ آپ نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ پھر آپ نے تین بار فرمایا اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا کہ گویا آپ کسی چیز کو لینا چاہتے ہیں- جب فارغ ہوئے تو ہم نے آپ سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی- آپؐ نے فرمایا' اللہ کا دشمن ابلیس آگ لے کر میرے منہ میں ڈالنے کے لئے آیا تو میں نے تین مرتبہ اعوذ پڑھی' پھر تین مرتبہ اس پر لعنت بھیجی لیکن پھر بھی نہ ہٹا- پھر میں نے چاہا کہ اسے پکڑ کر باندھ دوں تاکہ مدینے کے لڑکے اس سے کھیلیں' اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو میں یہی کرتا- حضرت عطا بن یزید لیثیؒ نماز پڑھ رہے تھے جو ابوعبید نے ان کے سامنے سے گزرنا چاہا- انہوں نے انہیں اپنے ہاتھ سے روک دیا- پھر فرمایا مجھ سے حضرت ابوسعید خدریؓ نے حدیث بیان کی کہ حضورؐ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے- یہ بھی آپ کے پیچھے تھے- قراءت آپ پر خلط ملط ہوگئی- فارغ ہو کر فرمایا- کاش تم دیکھتے کہ میں نے ابلیس کو پکڑ لیا تھا اور اس قدر اس کا گلا گھونٹا کہ اس کے منہ کے جھاگ میری شہادت کی اور بیچ کی انگلی پر پڑی- اگر میرے بھائی حضرت سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح ہوتے اس مسجد کے ستون سے بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اسے ستاتے' تم سے جہاں تک ہو سکے اس بات کا خیال رکھو کہ نماز کی حالت میں تمہارے سامنے سے کوئی گزرنے نہ پائے (مسند احمد)

مسند کی اور حدیث میں ہے' عبداللہ دیلمیؒ کہتے ہیں' میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس طائف کے ایک باغ میں گیا جس کا نام رہط تھا- آپ اس وقت ایک قریشی کا محاصرہ کئے ہوئے تھے جو زانی اور شرابی تھا- میں نے ان سے کہا' مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ جو ایک گھونٹ شراب پئے گا' اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہ فرمائے گا اور برا آدمی وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی برا ہو گیا ہے- جو شخص صرف نماز ہی کی نیت سے بیت المقدس کی مسجد میں جائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا- وہ شرابی جسے حضرت عبداللہ پکڑے ہوئے تھے' وہ شراب کا ذکر سنتے ہی جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا- اب حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' کسی کو حلال نہیں کہ میرے ذمے وہ بات کرے جو میں نے نہ کی ہو-

میں نے حضورؐ سے یوں سنا ہے' جو شخص شراب کا ایک گھونٹ بھی پی لے اس کی چالیس دن کی نماز نامقبول ہے- اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے- پھر اگر دوبارہ لوٹے تو پھر چالیس دن تک کی نمازیں نامقبول ہیں- پھر اگر توبہ کر لے تو توبہ مقبول ہے- مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تیسری چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ پھر اگر لوٹے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے جہنمیوں کے بدن کا خون' پیپ' پیشاب وغیرہ قیامت کے دن پلائے گا اور حضورؐ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا- پھر ان پر اپنا نور ڈالا جس پر وہ نور اس دن پڑ گیا' وہ تو ہدایت والا ہو گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ بھٹک گیا- اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے علم کے مطابق قلم چل چکا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں جن میں سے دو تو انہیں مل گئیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری ہمارے لئے ہو (۱) مجھے ایسا حکم دے جو تیرے حکم کے موافق ہو (۲) مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لئے لائق نہ ہو- تیسری دعا یہ تھی کہ جو شخص اپنے گھر سے اس مسجد کی نماز کے ارادے ہی سے نکلے تو جب وہ لوٹے تو ایسا ہو جائے گویا آج پیدا ہوا' پس ہمیں اللہ سے امید ہے کہ یہ ہمارے لئے اللہ نے دی ہو- طبرانی میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے لئے

ایک گھر بنانے کا حکم دیا۔ حضرت داوٗدؑ نے پہلے اپنا گھر بنالیا۔ اس پر وحی آئی کہ تم نے اپنا گھر میرے گھر سے پہلے بنایا۔ آپ نے عرض کیا۔ پروردگار یہی فیصلہ کیا گیا تھا۔ پھر مسجد بنانی شروع کی۔ دیواریں پوری ہوگئیں تو اتفاقاً تہائی حصہ گر گیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' جواب ملا کہ تو میرا گھر نہیں بنا سکتا۔ پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ تیرے ہاتھوں سے خون بہا ہے۔ عرض کیا اللہ تعالیٰ وہ بھی تیری ہی محبت میں' فرمایا ہاں لیکن وہ میرے بندے تھے۔ میں ان پر رحم کرتا ہوں۔ آپ کو یہ کلام سن کر سخت پریشانی ہوئی۔ پھر وحی آئی کہ غمگین نہ ہو۔ میں اسے تیرے لڑکے سلیمان کے ہاتھوں پورا کراؤں گا۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اسے بنانا شروع کیا۔ جب پورا کر چکے تو بڑی بڑی قربانیاں کیں اور ذبیحہ ذبح کئے اور بنواسرائیل کو جمع کرکے خوب کھلایا پلایا۔ اللہ کی وحی آئی کہ تو نے یہ سب کچھ میرے حکم کی تعمیل کی خوشی میں کیا ہے۔ تو مجھ سے مانگ۔ جو مانگے گا' پائے گا۔ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے تین سوال ہیں مجھے ایسا فیصلہ بجھا جو تیرے فیصلے کے مطابق ہو اور ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو اور جو اس گھر میں آئے صرف نماز کے ارادے سے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا آزاد ہو جائے جیسے آج پیدا ہوا۔ ان میں سے دو چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرما دیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی دے دی گئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ اپنی ہر دعا کو ان لفظوں سے شروع فرماتے سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَلِيِّ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ (مسند احمد)

اور روایت میں ہے کہ حضرت داوٗدؑ کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ سے فرمایا' مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ آپ نے عرض کیا' اللہ تعالیٰ مجھے ایسا دل دے جو تجھ سے ڈرتا رہے جیسے کہ میرے والد کا دل تجھ سے خوف کیا کرتا تھا اور میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے جیسے کہ میرے والد کے دل میں تیری محبت تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا کہ میرا بندہ میری عین عطا کے وقت بھی مجھ سے میرا ڈر اور میری محبت طلب کرتا ہے' مجھے اپنی قسم' میں اسے اتنی بڑی سلطنت دوں گا جو اس کے بعد کسی کو نہ ملے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ماتحتی میں ہوائیں کر دیں اور جنات کو بھی ان کا ماتحت بنا دیا۔ اور اسی قدر ملک و مال پر بھی انہیں حساب قیامت سے آزاد کر دیا۔

ابن عساکر میں ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے دعا کی کہ باری تعالیٰ سلیمان کے ساتھ بھی اسی لطف و کرم سے پیش آ جو لطف و کرم تیرا مجھ پر رہا تو وحی آئی کہ سلیمان سے کہہ دو وہ بھی اسی طرح میرا رہے جس طرح تو میرا تھا' تو میں بھی اس کے ساتھ ہو جاؤں گا جیسے کہ تیرے ساتھ تھا۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی محبت میں آ کر ان خوبصورت پیارے وفادار تیز رو گھوڑوں کو کاٹ ڈالا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں ان کے عوض ان سے بہتر عطا فرمائی۔ یعنی ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو مہینے بھر کی راہ کو صبح کی ایک گھڑی میں طے کر دیتی تھی۔ اور اسی طرح شام کو۔ جہاں کا ارادہ کرتے' ذرا سی دیر میں پہنچا دیتی۔ جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔ ان میں سے بعض بڑی اونچی لمبی' سنگین پختہ عمارت کے بنانے کے کام سرانجام دیتے جو انسانی طاقت سے باہر تھا اور بعض غوطہ خور تھے جو سمندر کی تہہ میں سے لولو جواہر اور دیگر قسم قسم کی نفیس و نادر چیزیں لا دیتے تھے۔ پھر اور کچھ تھے جو بھاری بھاری بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے۔ یہ یا تو وہ تھے جو حکومت سے سرتابی کرتے تھے یا کام کاج میں شرارت اور کمی کرتے تھے یا لوگوں کو ستاتے اور ایذا دیتے تھے۔

یہ ہے ہماری مہربانی اور ہماری بخشش اور ہمارا انعام اور ہمارا عطیہ' اب تجھے اختیار ہے جس سے جو چاہے سلوک کر' سب بے حساب ہے۔ کسی پر پکڑ نہیں۔ جو تیری زبان سے نکلے گا' وہ حق ہوگا۔ صحیح حدیث میں ہے' جب رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہیں عبد و رسول رہیں یعنی جو حکم کیا جائے بجا لاتے رہیں' اللہ کے فرمان کے مطابق تقسیم کرتے رہیں اور اگر چاہیں نبی اور بادشاہ بنا دیئے جائیں۔ جسے چاہیں دیں' جسے چاہیں نہ دیں اور اس کا کوئی حساب اللہ کے ہاں نہ لیا جائے تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا اور آپ کے مشورے سے پہلی بات قبول فرمائی کیونکہ فضیلت کے لحاظ سے اولیٰ اور اعلیٰ وہی ہے۔ گو نبوت و سلطنت بھی بڑی چیز ہے۔

اسی لئے حضرت سلیمانؑ کا دنیوی عز و جاہ بیان کرتے ہی فرمایا کہ وہ دار آخرت میں بھی ہمارے پاس بڑے مرتبے اور بہترین بزرگی اور اعلیٰ تر قرب والا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿٤١﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

ہمارے بندے ایوب کا بھی ذکر کر جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے ○ اپنا پاؤں مارو۔ یہ ہے نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ○ اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی۔ اسی کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور عقلمندوں کی نصیحت کے لئے ○ اور اپنے ہاتھ میں تیلیوں کی ایک جھاڑی لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا ○

حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کا صبر: ☆☆ (آیت: ۴۱-۴۴) حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے اور ان کے صبر اور امتحان میں پاس ہونے کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ مال برباد ہو گیا' اولادیں مر گئیں' جسم مریض ہو گیا یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم میں ایسی جگہ نہ تھی جہاں بیماری نہ ہو۔ صرف دل سلامت رہ گیا۔ اور پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا۔ کوئی نہ تھا جو خبر گیر ہوتا سوائے ایک بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے جن کے دل میں خوف الٰہی تھا اور اپنے خاوند اور اللہ کے رسول کی محبت تھی۔ لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے میاں کا پیٹ پالتی تھیں۔ آٹھ سال تک یہی حال رہا حالانکہ اس سے پہلے ان سے بڑھ کر مالدار کوئی نہ تھا۔ اولاد بھی بکثرت تھی اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔ اب ہر چیز چھین لی گئی تھی۔ اور شہر کا کوڑا کرکٹ جہاں ڈالا جاتا تھا' وہاں آپ کو لا بٹھایا تھا۔ اسی حال میں ایک دو دن نہیں سال دو سال نہیں آٹھ' سال کامل گزارے' اپنے اور غیر سب نے منہ پھیر لیا تھا۔ خیریت پوچھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ صرف آپ کی یہی ایک بیوی صاحبہ تھیں جو ہر وقت دن اور رات آپ کی خدمت میں کمربستہ تھیں۔ ہاں پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کے وقت آپ کے پاس سے چلی جاتی تھیں یہاں تک کہ دن پھرے اور اچھا وقت آ گیا تو رب العالمین الہ المرسلین کی طرف تضرع و زاری کی اور کپکپاتے ہوئے کلیجے سے دل سے دعا کی کہ اے میرے پالنہار اللہ' مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ یہاں جو دعا ہے' اس میں جسمانی تکلیف اور مال و اولاد کے دکھ درد کا ذکر کیا۔ اسی وقت رحیم و کریم اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ پاؤں کے لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا۔ حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کر لو غسل کرتے ہی بدن کی تمام بیماری اس طرح جاتی رہی گویا تھی ہی نہیں۔ پھر حکم ہوا کہ اور جگہ ایڑی لگاؤ۔ وہاں پاؤں مارتے ہی دوسرا چشمہ جاری ہو گیا۔ حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو' اس پانی کے پیتے ہی اندرونی بیماریاں بھی جاتی رہیں اور ظاہر و باطن کی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہو گئی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اٹھارہ سال تک اللہ کے یہ پیغمبرؑ دکھ درد میں مبتلا رہے' اپنے اور غیر سب نے چھوڑ دیا۔ ہاں آپ کے مخلص دوست صبح شام خیریت خبر کے لئے آ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا' میرا خیال

یہ ہے کہ ایوبؑ نے اللہ کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں پڑا ہوا ہے اور اللہ اس پر رحم کرے۔ اس دوسرے شخص نے شام کو حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کی یہ بات ذکر کر دی۔ آپ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ میری یہ حالت تھی کہ جب دو شخصوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا اور دونوں اللہ کو بیچ میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جائے کیونکہ دو میں سے ایک تو ضرور مجرم ہوگا اور دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں تو میں اپنے پاس سے دے دلا کران کے جھگڑے کو ختم کر دیتا کہ نام اللہ کی بے ادبی نہ ہو۔ آپ سے اس وقت چلا پھرا بلکہ اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا۔ پاخانے کے بعد آپ کی بیوی صاحبہؓ آپ کو اٹھا کر لاتی تھیں۔ ایک مرتبہ وہ نہیں تھیں۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور دعا کی اور اللہ کی طرف سے وحی ہوئی کہ زمین پر لات مار دو۔ بہت دیر کے بعد جب آپ کی بیوی صاحبہؓ آئیں تو دیکھا کہ مریض تو ہے نہیں اور کوئی اور شخص تندرست نورانی چہرے والا بیٹھا ہوا ہے۔ پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ اے اللہ کے نیک بندے یہاں اللہ کے ایک نبی جو درد دکھ میں مبتلا تھے انہیں دیکھا ہے؟ واللہ کہ جب وہ تندرست تھے تو قریب قریب تم جیسے ہی تھے' تب آپ نے فرمایا' وہ میں ہی ہوں۔ راوی کہتا ہے' آپ کی دو کوٹھیاں تھیں' ایک گیہوں کے لئے اور ایک جو کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو ابر بھیجے۔ ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی' اس سے بھر گئی' دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری کوٹھی اس سے بھر گئی (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' حضرت ایوب علیہ السلام ننگے ہو کر نہا رہے تھے جو آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں' آپ نے جلدی جلدی انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنی شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوبؑ کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں الٰہی۔ بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبرؑ کو نیک بدلہ اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی بلکہ حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ مردہ اولاد اللہ نے زندہ کر دی اور اسی اور نئی دی۔ یہ تھا اللہ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال' رجوع الی اللہ' تواضع اور انکساری کے بدلے اللہ نے انہیں دیا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے' وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت و راحت ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیوی کے کسی کام کی وجہ سے ان پر ناراض ہو گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں' وہ اپنے بالوں کی ایک لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھیں۔ اس پر آپ ناراض ہوئے تھے اور قسم کھائی تھی کہ شفا کے بعد سو کوڑے ماریں گے۔ دوسروں نے وجہ ناراضگی اور بیان کی ہے۔ جبکہ آپ تندرست اور صحیح سالم ہو گئے تو ارادہ کیا کہ اپنی قسم کا پورا کریں لیکن ایسی نیک صفت عورت اس سزا کے لائق نہ تھیں جو حضرت ایوبؑ نے طے کر رکھی تھی۔ جس عورت نے اس وقت خدمت کی جبکہ کوئی ساتھ نہ تھا' اسی لئے رب العالمین ارحم الراحمین نے ان پر رحم کیا۔ اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھجور کا ایک خوشہ لے لو جس میں ایک سو سیخیں ہوں اور ایک انہیں مار دو۔ اس صورت میں قسم کا خلاف نہ ہوگا اور ایک ایسی صابرہ شاکرہ نیک بیوی پر سزا بھی نہ ہوگی۔ یہی دستور الٰہی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں' برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت ایوبؑ کی ثناء و صفت بیان فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صابر و ضابط پایا' وہ بڑا نیک اور اچھا بندہ ثابت ہوا۔ اس کے دل میں ہماری سچی محبت تھی۔ وہ ہماری ہی طرف جھکتا رہا اور ہم ہی سے لو لگائے رہا' اسی لئے فرمان الٰہی ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو اس کے خیال میں بھی نہ ہو۔

اللہ پر توکل رکھنے والوں کو اللہ کافی ہے۔ اللہ اپنے کام میں پورا اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ سمجھدار علماء کرام نے اس آیت سے بہت سے ایمانی مسائل اخذ کئے ہیں واللہ اعلم۔

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

ہمارے بندوں ابراہیم اسحاق اور یعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے ○ ہم نے انہیں ایک امتیازی بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا ○ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے ○ اسماعیل یسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کیجئے یہ سب بہترین لوگ تھے ○

(آیت: ۴۵-۴۸) اللہ تعالیٰ اپنے عابد بندوں اور رسولوں کی فضیلتوں کو بیان فرما رہا ہے اور ان کے نام گنوا رہا ہے۔ ابراہیم اسحاق اور یعقوب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ اور فرماتا ہے کہ ان کے اعمال بہت بہتر تھے اور صحیح علم بھی ان میں تھا۔ ساتھ ہی عبادت الٰہی میں قوی تھے اور قدرت کی طرف سے انہیں بصیرت عطا فرمائی گئی تھی۔ دین میں سمجھدار تھے' اطاعت الٰہی میں قوی تھے' حق کے دیکھنے والے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ صرف آخرت کا ہی ہر وقت خیال بندھا رہتا تھا۔ ہر عمل آخرت کے لئے ہی ہوتا تھا۔ دنیا کی محبت سے وہ الگ تھے' آخرت کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ وہ اعمال کرتے تھے جو جنت دلوائیں' لوگوں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دیتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن بہترین بدلے اور افضل مقامات عطا فرمائے گا۔ یہ بزرگان دین اللہ کے چیدہ مخلص اور خاص الخاص بندے ہیں۔ اسماعیل اور ذوالکفل صلوات وسلامہ علیہم اجمعین بھی پسندیدہ اور خاص بندوں میں تھے۔ ان کے بیانات سورۂ انبیاء میں گزر چکے ہیں اس لئے ہم نے یہاں بیان نہیں کئے۔ ان فضائل کے بیان میں ان کے لئے نصیحت ہے جو پند و نصیحت حاصل کرنے کے عادی ہیں اور یہ مطلب بھی ہے کہ یہ قرآن عظیم ذکر یعنی نصیحت ہے۔

هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُفَتَّحَةً لَهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ ﴿٥٤﴾ هَٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾

یہ ہے نصیحت یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی جگہ ہے ○ یعنی ہمیشگی والی جنتیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں ○ جن میں بافراغت تکئے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں ○ اور ان کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر کمسن حوریں ہوں گی ○ یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کا کیا جاتا تھا ○ بے شک یہ روزیاں خاص ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں ○ یہ تو ہوئی جزا' یاد رکھو کہ سرکشوں کے لئے بڑی بری

جگہ ہے ○ جو دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے' آہ کیا ہی برا بچھونا ہے ○

صالحین کے لئے اجر: ☆☆ (آیت: ۴۹-۵۴) نیکوکار تقوے والوں کے لئے دار آخرت میں کتنا پاک بدلہ اور کیسی پیاری جگہ ہے؟ ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں' جن کے دروازے ان کے لئے بند نہیں بلکہ کھلے ہوئے ہیں۔ کھلوانے کی بھی زحمت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آس پاس برج ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں' ان میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ رہیں گے (ابن ابی حاتم)

اور یہ تو بہت سی بالکل صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اپنے تختوں پر تکئے لگائے بےفکری سے چار زانو با آرام بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اور جس قوم کو جس میوے شراب کا جی چاہے' حکم کے ساتھ خدام باسلیقہ حاضر کر دیں گے۔ ان کے پاس ان کی بیویاں ہوں گی جو عفیفہ' پاک دامن' نیچی نگاہوں والی اور ان سے محبت و عشق رکھنے والی ہوں گی جن کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اٹھی ہیں' نہ اٹھیں' نہ اٹھ سکیں۔ ان کی ہم عمر ہوں گی۔ ان کی عمروں کے لائق ہوں گی۔ ان صفات والی جنت کا وعدہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے بندوں سے ہے' قیامت کے دن یہ اس کے وارث و مالک ہوں گے جبکہ قبروں سے اٹھ کر آگ سے نجات پا کر حساب سے فارغ ہو کر یہاں آ کر بہ آرام بسیں گے۔ یہ ہے ہمارا انعام جس میں نہ کبھی کمی آئے گی نہ یہ منقطع ہوگا۔ جیسے فرمایا مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ تمہارے پاس جو کچھ ہے' وہ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ کے پاس جو ہے' وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور آیت میں غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ہے۔ اور جگہ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں کبھی کمی اور گھاٹا آئے نہ کبھی وہ ختم اور فنا ہو۔ جیسے ارشاد ہے اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا الخ اسکے میوے اور کھانے پینے اور اسکے سائے دائمی ہیں۔ پرہیزگاروں کا انجام یہی ہے اور کافروں کا انجام جہنم ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

اہل نار کے احوال: ☆☆ (آیت: ۵۵-۵۶) اوپر نیکوں کا حال بیان کیا تو یہاں بروں کا حال بیان فرما رہا ہے جو اللہ کی نہیں مانتے تھے نبی کی نافرمانی کرتے تھے ان کے لوٹنے کی جگہ بہت بری ہے۔ اور وہ جہنم ہے جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور چاروں طرف سے انہیں آتش دوزخ گھیر لے گی۔ یہ نہایت ہی برا بچھونا ہے۔

هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾
هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾
قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ
الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا
فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ
الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ
ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ ع

یہ ہے پس اسے چکھیں۔ گرم پانی اور پیپ ○ اور کچھ اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں ○ یہ ایک قوم ہے جو تمہارے ساتھ آگ میں جانے والی ہے' انہیں خوشی اور

کشادگی نہ ہو' یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں ○ وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ہو کہ تمہیں خوشی نہ ہو۔ تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا' پس رہنے کی بڑی بری جگہ ہے ○ وہ کہیں گے' اے ہمارے رب! جس نے کفر کی رسم ہمارے لیئے پہلے سے نکالی ہو' اس کے حق میں جہنم کی دوگنی سزا کر دے ○ جہنمی کہیں گے یہ کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے ○ کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے بہک رہی ہیں؟ ○ یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہوگا ○

(آیت: ۵۷-۶۴) حمیم اس پانی کو کہتے ہیں جس کی حرارت اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ اور غساق کہتے ہیں اس ٹھنڈک کو جس کی سردی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ پس ایک طرف آگ کا گرم عذاب' دوسری جانب ٹھنڈک کا سرد عذاب۔ اور اسی طرح قسم قسم کے' جوڑ جوڑ کے عذاب' جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا بدبودار ہو جائیں۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں' غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے۔ پھر وہ گرم ہو کر اونٹنے لگتا ہے۔ اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے ان کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم)

غرض سردی کا عذاب الگ ہوگا' گرمی کا الگ ہوگا' حمیم پینے کو' زقوم کھانے کو۔ کبھی آگ کے پہاڑوں پر چڑھایا جاتا ہے تو کبھی آگ کے گڑھوں میں دھکیلا جاتا ہے' اللہ ہمیں بچائے۔ اب جہنمیوں کا جھگڑا' ان کے تنازع اور ایک دوسرے کو برا کہنا بیان ہو رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کُلَّمَا دَخَلَتْ الخ ہر گروہ دوسرے پر بجائے سلام کے لعنت بھیجے گا۔ ایک دوسرے کو جھٹلائے گا اور ایک دوسرے پر الزام رکھے گا۔ ایک جماعت جو پہلے جہنم میں جا چکی ہے' وہ دوسری جماعت کو داروغہ جہنم کے ساتھ آتی ہوئی دیکھ کر کہے گی کہ یہ گروہ جو تمہارے ساتھ ہے' انہیں مرحبا نہ ہو اس لئے کہ یہ بھی جہنمی گروہ ہے۔ وہ آنے والے ان سے کہیں گے کہ تمہارے لئے مرحبا ہو۔ تم ہی تو تھے کہ ہمیں ان برے کاموں کی طرف بلاتے رہے جن کا انجام یہ ہوا۔ پس بری منزل ہے۔ پھر کہیں گے کہ اے باری تعالیٰ جس نے ہمارے لئے اس کی تقدیم کی' تو اسے دوگنا عذاب کر۔ جیسے فرمان ہے قَالَتْ اُخْرٰهُمْ لِاُوْلٰهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۤءِ اَضَلُّوْنَا الخ یعنی پچھلے پہلوں کے لئے کہیں گے کہ پروردگار انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا' تو انہیں آگ کا دگنا عذاب کر۔ اللہ فرمائے گا' ہر ایک کے لئے دگنا ہی ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی ہر ایک کے لئے ایسا عذاب ہے جس کی انتہا اسی کے لئے ہے۔ چونکہ کفار وہاں مومنوں کو نہ پائیں گے جنہیں اپنے خیال میں بہکا ہوا جانتے تھے تو آپس میں ذکر کریں گے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمیں مسلمان جہنم میں نظر نہیں آتے؟ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابوجہل کہے گا کہ بلال' عمار' صہیب وغیرہ وغیرہ کہاں ہیں؟ وہ تو نظر ہی نہیں آتے' غرض ہر کافر یہی کہے گا کہ وہ لوگ جنہیں دنیا میں ہم شریر گنتے تھے' وہ آج یہاں نظر نہیں آتے۔ کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں مذاق میں اڑاتے تھے؟ لیکن نہیں ایسا تو نہ تھا۔ وہ ہوں گے تو جہنم میں ہی لیکن کہیں ادھر ادھر ہوں گے۔ ہماری نگاہ میں نہیں پڑتے۔ اسی وقت جنتیوں کی طرف سے ندا آئے گی کہ اے دوزخیو! ادھر دیکھو۔ ہم نے تو اپنے رب کے وعدے کو حق پایا۔ تم اپنی کہو۔ کیا اللہ کے وعدے سچے نکلے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں بالکل سچ نکلے۔ اسی وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اسی کا بیان آیات قرآنیہ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ سے وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ تک ہے۔ پھر فرماتا ہے' اے نبی' جو خبر میں تمہیں دے رہا ہوں کہ جہنمی اس طرح لڑیں جھگڑیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے' یہ بالکل سچی' واقعی اور ٹھیک خبر ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ
هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ
عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والا ہوں اور بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں ○ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے ○ تو کہہ دے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے ○ جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو ○ مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی بات چیت کا مطلقاً علم ہی نہیں۔ میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں ○

نبی علیہ السلام کا خواب: ☆☆ (آیت: ۶۵-۷۰) اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم فرماتا ہے کہ کافروں سے کہہ دو کہ میری نسبت تمہارے خیالات محض غلط ہیں، میں تو تمہیں ڈر کی خبر پہنچانے والا ہوں۔ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا اور کوئی قابل پرستش نہیں، وہ اکیلا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کے ماتحت ہے۔ وہ زمین و آسمان اور ہر چیز کا مالک ہے اور سب تصرفات اسی کے قبضے میں ہیں۔ وہ عزتوں والا ہے اور باوجود اس عظمت و عزت کے بڑا بخشنے والا ہے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے یعنی میرا رسول بن کر تمہاری طرف آنا، پھر تم اے غافلو! اس سے اعراض کر رہے ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بڑی چیز ہے یعنی قرآن کریم۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرشتوں میں جو کچھ اختلاف ہوا، اگر رب کی وحی میرے پاس نہ آئی ہوتی تو مجھے اس کی بابت کیا علم ہوتا؟ ابلیس کا آپ کو سجدہ کرنے سے منکر ہونا اور رب کے سامنے اس کی مخالفت کرنا اور اپنی بڑائی جتانا وغیرہ ان سب باتوں کو میں کیا جانوں؟

مسند احمد میں ہے، ایک دن صبح کی نماز میں حضورؐ نے بہت دیر لگا دی یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ گیا۔ پھر بہت جلدی کرتے ہوئے آئے، تکبیر کہی گئی اور آپ نے ہلکی نماز پڑھائی۔ پھر ہم سے فرمایا، ذرا دیر ٹھہرے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، رات کو میں تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا جو مجھے اونگھ آنے لگی یہاں تک کہ میں جاگا۔ میں نے دیکھا کہ گویا میں اپنے رب کے پاس ہوں۔ میں نے اپنے پروردگار کو بہترین عمدہ صورت میں دیکھا۔ مجھ سے جناب باری نے دریافت فرمایا، جانتے ہو عالم بالا کے فرشتے اس وقت کس امر میں گفتگو اور سوال و جواب کر رہے ہیں؟ میں نے کہا، میرے رب مجھے کیا خبر؟ تین مرتبہ کے سوال جواب کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان اللہ عزوجل نے اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ انگلیوں کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی اور مجھ پر ایک ایک چیز روشن ہو گئی۔ پھر مجھ سے سوال کیا، اب بتاؤ ملا اعلیٰ میں کیا بات چیت ہو رہی ہے؟ میں نے کہا، گناہوں کے کفارے کی۔ فرمایا، پھر تم بتاؤ کفارے کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نماز باجماعت کے لئے قدم اٹھا کر جانا۔ نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور دل کے نہ چاہنے پر بھی کامل وضو کرنا۔ پھر مجھ سے میرے اللہ نے پوچھا درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھلانا، نرم کلامی کرنا اور راتوں کو جبکہ لوگ سوئے پڑے ہوں، نماز پڑھنا۔ اب مجھ سے میرے رب نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا، میں نیکیوں کا کرنا، برائیوں کا چھوڑنا، مسکینوں سے محبت رکھنا اور تیری بخشش، تیرا رحم اور تیرا ارادہ جب کسی قوم کی آزمائش کا فتنے کے ساتھ ہو تو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے پہلے موت، تیری محبت اور تجھ سے

محبت رکھنے والوں کی محبت اور ان کاموں کی چاہت جو تیری محبت سے قریب کرنے والے ہوں مانگتا ہوں۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا' یہ سراسر حق ہے۔ اسے پڑھو پڑھاؤ' سیکھو سکھاؤ۔ یہ حدیث خواب کی ہے اور مشہور بھی یہی ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ جاگتے کا واقعہ ہے لیکن یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ قرآن میں فرشتوں کی جس بات کا ردو بدل کرنا اس آیت میں مذکور ہے' وہ یہ نہیں جو اس حدیث میں ہے بلکہ یہ سوال تو وہ ہے جس کا ذکر اس کے بعد ہی ہے۔ ملاحظہ ہوں اگلی آیتیں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾

جبکہ تیرے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں ○ سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں اور اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا ○ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ○ مگر ابلیس نے نہ کیا' اس نے تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں سے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اسے سجدہ نہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا' کیا تو کچھ گھمنڈ میں آ گیا ہے؟ یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ ○ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہت بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ○ ارشاد ہوا کہ یہاں سے نکل جا' تو مردود ہوا ○ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے۔ کہنے لگا' میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' تو مہلت والوں میں سے ہے ○ معین تاریخ تک کے وقت تک۔ کہنے لگا' پھر تو تیری عزت کی قسم' میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا ○

تخلیق آدم اور ابلیس کی سرکشی: ☆☆ (آیت: ۷۱-۷۵) یہ قصہ سورۂ بقرہ' سورۂ اعراف' سورۂ حجر' سورۂ سبحان' سورۂ کہف اور اس سورۂ ص میں بیان ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنا ارادہ بتایا کہ میں مٹی سے آدمؑ کو پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے پیدا کر چکوں تو تم سب اسے سجدہ کرنا تاکہ میری فرمانبرداری کے ساتھ ہی حضرت آدمؑ کی شرافت و بزرگی کا بھی اظہار ہو جائے۔ پس کل کے کل فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی۔ ہاں ابلیس اس سے رکا' یہ فرشتوں کی جنس میں سے تھا بھی نہیں بلکہ جنات میں سے تھا۔ طبعی خباثت اور جبلی سرکشی ظاہر ہو گئی۔ سوال ہوا کہ اتنی معزز مخلوق کو جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا' تو نے میرے کہنے کے باوجود سجدہ کیوں نہ کیا؟ یہ تکبر! اور یہ سرکشی؟ تو کہنے لگا کہ میں اس سے افضل و اعلیٰ ہوں' کہاں آگ اور کہاں مٹی؟ اس خطاکار نے اس کے سمجھنے میں بھی

غلطی کی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے غارت ہو گیا۔ حکم ہوا کہ میرے سامنے سے منہ ہٹا۔ میرے دربار میں تجھ جیسے نافرمانوں کی رسائی نہیں، تو میری رحمت سے دور ہو گیا۔ اور تجھ پر ابدی لعنت نازل ہوئی اور اب تو خیر و خوبی سے مایوس ہو جا۔ اس نے اللہ سے دعا کی کہ قیامت تک مجھے مہلت دی جائے۔ اس حلیم اللہ نے جو اپنی مخلوق کو ان کے گناہوں پر فوراً نہیں پکڑتا' اس کی یہ التجا پوری کر دی اور قیامت تک کی اسے مہلت دے دی۔ اب کہنے لگا' میں تو اس کی تمام اولاد کو بہکا دوں گا۔ صرف مخلص لوگ تو بچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کو منظور بھی یہی تھا جیسے کہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں بھی ہے مثلاً اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ الخ اور اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ الخ فَالْحَقُّ کو حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے پیش سے پڑھا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں خود حق ہوں اور میری بات بھی حق ہی ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں ان سے یوں مروی ہے کہ حق میری طرف سے ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔ اوروں نے دونوں لفظ زبر سے پڑھے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں' یہ قسم ہے۔ میں کہتا ہوں' یہ آیت اس آیت کی طرح ہے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ یعنی میرا یہ قول اٹل ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو اس قسم کے انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا۔ اور جیسے فرمان ہے اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ الخ یہاں سے نکل جا۔ جو شخص بھی تیری مانے گا' اس کی اور تیری پوری سزا جہنم ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿٨٤﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾

ع ۲۲ ۱۳

بجز تیرے ان بندوں کو جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں ○ فرمایا سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں ○ کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں بھی جہنم کو بھر دوں گا ○ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں ○ یہ تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے ○ یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد صحیح طور پر جان لو گے ○

(آیت: ۸۶-۸۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں میں آپ اعلان کر دیں کہ میں تبلیغ دین پر اور احکام قرآن پر تم سے کوئی اجرت و بدلہ نہیں مانگتا۔ اس سے میرا مقصود کوئی دنیوی نفع حاصل کرنا نہیں اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں کہ اللہ نے نہ اتارا ہو اور میں جوڑ لوں۔ مجھے تو جو کچھ پہنچایا جاتا ہے' وہی میں تمہیں پہنچا دیتا ہوں۔ نہ کمی کروں نہ زیادتی۔ اور میرا مقصود اس سے صرف رضائے رب اور مرضی مولیٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' لوگو جسے کسی مسئلہ کا علم ہو' وہ اسے لوگوں سے بیان کر دے اور جو نہ جانتا ہو' وہ کہہ دے کہ اللہ جانے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبیؐ سے بھی یہی فرمایا کہ میں تکلف کرنے والا نہیں ہوں۔ یہ قرآن تمام انسانوں اور جنوں کے لئے نصیحت ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ تاکہ میں تمہیں اور جن جن لوگوں تک یہ پہنچے آگاہ اور ہوشیار کر دوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ الخ جو شخص بھی اس سے کفر کرے' وہ جہنمی ہے۔ میری باتوں کی حقیقت' میرے کلام کی تصدیق' میرے بیان کی سچائی' میری زبان کی صداقت تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گی یعنی مرتے ہی' قیامت کے قائم ہوتے ہی۔ موت کے وقت یقین آ جائے گا اور میری کہی ہوئی خبریں اپنی آنکھوں دیکھ لو گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ ص کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان پر اس کا شکر ہے۔

تفسیر سورة الزمر

(تفسیر سورۂ زمر) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' حضور ﷺ نفلی روزے اس طرح پے در پے رکھے چلے جاتے کہ ہم خیال کرتیں کہ آپ اب چھوڑیں گے ہی نہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتیں کہ اب رکھیں گے ہی نہیں اور ہر رات آپ سورۂ بقرہ اور سورۂ زمر کی تلاوت کرلیا کرتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿٢﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ
كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٣﴾ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا
يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٤﴾

مہرو کرم کرنے والے معبود کے نام سے شروع

اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب باحکمت کی طرف سے ہے ○ یقیناً ہم نے اس کتاب کو تیری طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ پس تو اللہ ہی کی عبادت کر اسی کے لئے عبادت کو خالص کرکے ○ خبردار! اللہ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کردیں۔ یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں' اس کا سچا فیصلہ اللہ تعالیٰ آپ کردے گا۔ جھوٹے اور ناشکروں کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا ○ اگر اللہ کا ارادہ اولاد کا ہی ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا لیکن وہ تو پاک ہے' وہ وہی اللہ ہے یگانہ اور دباؤ اور قوت والا ○

باطل عقائد کی تردید: ☆☆ (آیت:۱-۴) اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ یہ قرآن عظیم اسی کا کلام ہے اور اسی کا اتارا ہوا ہے۔ اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الخ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ جسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ تیرے دل پر اترا ہے تاکہ تو آگاہ کرنے والا بن جائے۔ صاف فصیح عربی زبان میں ہے۔ اور آیتوں میں ہے یہ باعزت کتاب وہ ہے جسے آگے یا پیچھے سے باطل آ ہی نہیں سکتا' یہ حکمتوں والے تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ یہاں فرمایا کہ یہ کتاب بہت بڑے عزت والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے اتری ہے جو اپنے اقوال' افعال' شریعت' تقدیر سب میں حکمتوں والا ہے۔ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تجھے چاہیے کہ خود اللہ کی عبادتوں میں اور اس کی توحید میں مشغول رہ کر ساری دنیا کو اسی طرف بلا کیونکہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت زیبا نہیں' وہ لاشریک ہے' وہ بے مثال ہے' اس کا شریک کوئی نہیں۔ دین خالص یعنی شہادت توحید کے لائق وہی ہے۔

پھر مشرکوں کا ناپاک عقیدہ بیان کیا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کا مقرب جان کر ان کی خیالی تصویریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ کے لاڈلے ہیں' ہمیں جلدی اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ پھر تو ہماری روزیوں میں اور ہر چیز میں خوب برکت ہو جائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت کے روز ہمیں وہ نزدیکی اور مرتبہ دلوائیں گے۔ اس لئے کہ قیامت کے تو وہ قائل ہی نہ تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ انہیں اپنا سفارشی جانتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں حج کو جاتے تو وہاں لبیک پکارتے ہوئے کہتے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ اللہم ہم تیرے پاس حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک جن کے اپنے آپ کا مالک بھی تو ہی ہے اور جو چیزیں ان کے ماتحت ہیں' ان کا بھی حقیقی مالک تو ہی ہے۔ یہی شبہ اگلے پچھلے تمام مشرکوں کو رہا اور اسی کو تمام انبیاء علیہم السلام رد کرتے رہے اور صرف اللہ تعالیٰ واحد کی عبادت کی طرف انہیں بلاتے رہے۔ یہ عقیدہ مشرکوں نے بے دلیل گھڑ لیا تھا جس سے اللہ بیزار تھا۔ فرماتا ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ الخ یعنی ہر امت میں ہم نے رسول بھیجے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو اور فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ الخ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کی طرف یہی وحی کی کہ معبود برحق صرف میں ہی ہوں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرما دیا کہ آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں' خواہ وہ کتنے ہی بڑے مرتبے والے کیوں نہ ہوں' سب کے سب اس کے سامنے لاچار' عاجز اور غلاموں کی مانند ہیں' اتنا بھی تو اختیار نہیں کہ کسی کی سفارش میں لب ہلا سکیں۔

یہ عقیدہ محض غلط ہے کہ وہ اللہ کے پاس ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے پاس امیر امراء ہوتے ہیں کہ جس کی وہ سفارش کر دیں' اس کا کام بن جاتا ہے۔ اس باطل اور غلط عقیدے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اللہ کے سامنے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ اللہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا سچا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ ان سب کو جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے' یہ نہیں بلکہ ہمارا ولی تو تو ہی ہے۔ یہ لوگ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کا عقیدہ و ایمان انہی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست نہیں دکھاتا جن کا مقصود اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنا ہو اور جن کے دل میں اللہ کی آیتوں' اس کی نشانیوں اور اس کی دلیلوں سے کفر بیٹھ گیا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عقیدے کی نفی کی جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے تھے مثلاً مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہود کہتے تھے' عزیر اللہ کے لڑکے ہیں۔ عیسائی گمان کرتے تھے کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس فرمایا کہ جیسا ان کا خیال ہے' اگر یہی ہوتا تو اس امر کے خلاف ہوتا' پس یہاں شرط نہ تو واقعہ ہونے کے لئے ہے نہ امکان کے لئے۔ بلکہ محال کے لئے ہے اور مقصد صرف ان لوگوں کی جہالت بیان کرنے کا ہے۔ جیسے فرمایا لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا الخ اگر ہم ان بیہودہ باتوں کا اردہ کرتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔ اور آیت میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ یعنی کہہ دے کہ اگر رحمان کی اولاد ہوتی تو میں تو سب سے پہلے اس کا قائل ہوتا۔ پس یہ سب آیتیں شرط کو محال کے ساتھ متعلق کرنے والی ہیں۔ امکان یا وقوع کے لئے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہو سکتا ہے نہ وہ ہو سکتا ہے۔ اللہ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ وہ فرد' احد' صمد اور واحد ہے۔ ہر چیز اس کی ماتحت' فرمانبردار' عاجز' محتاج' فقیر' بے کس اور بے بس ہے۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے' سب سے بے پرواہ ہے' سب پر اس کی حکومت اور غلبہ ہے' ظالموں کے ان عقائد سے اور جاہلوں کی ان باتوں سے اس کی ذات مبرا و منزہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ
النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۵ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ
اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶

نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا' وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' ہر ایک مقررہ مدت پر چل رہا ہے' یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے ○ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ نر مادہ اتارے' وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا رہتا ہے۔ تین اندھیروں میں' یہی اللہ تمہارا رب ہے' اسی کے لئے بادشاہت ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' پھر تم کیوں بہک رہے ہو؟ ○

تخلیق کائنات اور عقیدۂ توحید: ☆☆ (آیت: ۵-۶) ہر چیز کا خالق' سب کا مالک' سب پر حکمراں اور سب کا قابض اللہ ہی ہے۔ دن رات کا الٹ پھیر اسی کے ہاتھ ہے' اسی کے حکم سے انتظام کے ساتھ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے برابر مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ نہ وہ آگے بڑھ سکے نہ وہ پیچھے رہ سکے۔ سورج چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے۔ وہ اپنے دورے کو پورا کر رہے ہیں' قیامت تک اس انتظام میں تم کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ وہ عزت و عظمت والا' کبریائی اور رفعت والا ہے۔ گنہگاروں کا بخشنہار' عاصیوں پر مہربان وہی ہے۔ تم سب کو اس نے ایک ہی شخص یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا ہے' پھر دیکھو کہ تمہارے آپس میں کس قدر اختلاف ہے۔ رنگ' صورت' آواز' بول چال زبان و بیانؑ ہر ایک الگ الگ ہے۔ حضرت آدمؑ سے ہی ان کی بیوی صاحبہ حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔

جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے' اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے' اس نے تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چوپائے پیدا کئے جن کا بیان سورۂ مائدہ کی آیت مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ الخ' میں ہے۔ یعنی بھیڑ' بکری' اونٹ' گائے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے جہاں تمہاری مختلف پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے نطفہ' پھر خون بستہ' پھر لوتھڑا' پھر گوشت پوست' ہڈی' رگ' پٹھے' پھر روح' غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے' تین تین اندھیرے مرحلوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے۔ رحم کی اندھیری' اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کا اندھیرا۔ یہ جس نے آسمان و زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلوں پچھلوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی رب ہے' اسی کا ملک ہے۔ وہی سب میں متصرف ہے' وہی لائق عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس نہ جانے تمہاری عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾

اگر تم ناشکری کرو تو یاد رکھو کہ اللہ تم سب سے بے نیاز ہے- ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کی وجہ سے تم سے خوش ہوگا' کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا' پھر تمہارا سب کا لوٹنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے- تمہیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے رہے' یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے ○ انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے- پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا' اسے بالکل بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے اوروں کو بھی اس کی راہ سے بہکا دے' تو کہہ دے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لو- آخر تو دوزخی ہو ○

(آیت: ۷-۸) فرماتا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی محتاج ہے اور اللہ سب سے بے نیاز ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن میں منقول ہے کہ اگر تم اور روئے زمین کے سب جاندار اللہ سے کفر کرو تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں' وہ ساری مخلوق سے بے پرواہ اور پوری تعریفوں والا ہے- صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو! تمہارے سب اول و آخر انسان و جن مل ملا کر بدترین شخص کا سا دل بنا لو تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی- ہاں اللہ تمہاری ناشکری سے خوش نہیں' نہ وہ اس کا تمہیں حکم دیتا ہے اور اگر تم اس کی شکر گزاری کرو گے تو وہ اس پر تم سے رضامند ہو جائے گا اور تمہیں اپنی اور نعمتیں عطا فرمائے گا- ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو- ایک کے بدلے دوسرا پکڑا نہ جائے گا' اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں- انسان کو دیکھو کہ اپنی حاجت کے وقت تو بہت ہی عاجزی انکساری سے اللہ کو پکارتا ہے اور اس سے فریاد کرتا رہتا ہے- اور آیت میں ہے وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ الخ یعنی جب دریا اور سمندر میں ہوتے ہیں اور وہاں کوئی آفت آتی دیکھتے ہیں تو جن جن کو اللہ کے سوا پکارتے تھے' سب کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ کو پکارنے لگتے ہیں لیکن نجات پاتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں' انسان ہے ہی ناشکرا-

پس فرماتا ہے کہ جہاں دکھ درد ٹل گیا' پھر تو ایسا ہو جاتا ہے گویا مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا- اس دعا اور گریہ وزاری کو بالکل فراموش کر جاتا ہے- جیسے اور آیت میں ہے وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا الخ یعنی تکلیف کے وقت تو انسان ہمیں اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر وقت بڑی حضور قلبی سے پکارتا رہتا ہے لیکن اس تکلیف کے ہٹتے ہی وہ بھی ہم سے ہٹ جاتا ہے گویا اس نے دکھ درد کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا- بلکہ عافیت کے وقت اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے- پس اللہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے کفر سے گو کچھ یونہی سا فائدہ اٹھا لیں- اس میں ڈانٹ ہے اور سخت دھمکی ہے جیسے فرمایا قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ کہہ دے کہ فائدہ حاصل کر لو- آخری جگہ تو تمہاری جہنم ہی ہے- اور فرمان ہے نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ہم انہیں کچھ فائدہ دیں گے- پھر

سخت عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَيَرۡجُوۡا
رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۹﴾ ع ۱ ۱۵

بھلا جو شخص راتوں کے وقت سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت گزار رہتا ہو' آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو' بتلاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟ نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں ○

مشرک اور موحد برابر نہیں: ☆☆ (آیت:۹) مطلب یہ ہے کہ جس کی حالت یہ ہو' وہ مشرک کے برابر نہیں۔ جیسے فرمان ہے لَيۡسُوۡا سَوَآءً الخ یعنی سب کے سب برابر کے نہیں۔ اہل کتاب میں وہ جماعت بھی ہے جو راتوں کے وقت قیام کی حالت میں آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدوں میں پڑے رہتے ہیں۔ قنوت سے مراد یہاں پر نماز کا خشوع وخضوع ہے۔ صرف قیام مراد نہیں۔ ابن مسعودؓ سے قانت کے معنی مطیع اور فرمانبردار کے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سے مراد آدھی رات سے ہے۔ منصورؒ فرماتے ہیں' مراد مغرب عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ اول درمیانہ اور آخری شب مراد ہے۔ یہ عابد لوگ ایک طرف لرزاں و ترساں ہیں' دوسری جانب امیدوار اور طمع کناں ہیں۔ نیک لوگوں پر زندگی میں تو خوف الٰہی امید پر غالب رہتا ہے۔ موت کے وقت خوف پر امید کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس اس کے انتقال کے وقت جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو کس حالت میں پاتا ہے؟ اس نے کہا' خوف و امید کی حالت میں۔ آپ نے فرمایا' جس شخص کے دل میں ایسے وقت یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں' اس کی امید اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے اور اس کے خوف سے اسے نجات عطا فرماتا ہے۔ ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ۔

ابن عمرؓ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا یہ وصف صرف حضرت عثمانؓ میں تھا۔ فی الواقع آپ رات کے وقت بکثرت تہجد پڑھتے رہتے تھے اور اس میں قرآن کریم کی لمبی قراءت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی ایک ہی رکعت میں قرآن ختم کر دیتے تھے۔ جیسے کہ ابو عبیدؒ سے مروی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ صبح کے وقت ان کے منہ نورانی چمک لئے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے تسبیح و تلاوت قرآن میں رات گزاری ہے۔ نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جس نے ایک رات سو آیتیں پڑھ لیں' اس کے نامہ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے (مسند وغیرہ) پس ایسے لوگ اور مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں' کسی طرح ایک مرتبے کے نہیں ہو سکتے' عالم اور بے علم کا درجہ ایک نہیں ہو سکتا۔ ہر عقل مند پر ان کا فرق ظاہر ہے۔

قُلۡ يٰعِبَادِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ
هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى
الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلۡ اِنِّىۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ
مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرۡتُ لِاَنۡ اَكُوۡنَ اَوَّلَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۲﴾

میرا پیغام پہنچا دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو، جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک بدلہ ہے اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے ○ تو کہہ دے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لئے عبادت کو خالص کر لوں ○ اور مجھے فرمان دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا حکم بردار بن جاؤں ○

ہر حال میں اللہ کی اطاعت لازمی ہے: ☆☆ (آیت: ۱۰-۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو اپنے رب کی اطاعت پر جمے رہنے کا اور ہر امر میں اس کی پاک ذات کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے کہ جس نے اس دنیا میں نیکی کی اس کو اس دنیا میں اور آنے والی آخرت میں نیکی ہی نیکی ملے گی۔ تم اگر ایک جگہ اللہ کی عبادت استقلال سے نہ کر سکو تو دوسری جگہ چلے جاؤ، اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ معصیت سے بھاگتے رہو، شرک کو منظور نہ کرو۔ صابروں کو ناپ تول اور حساب کے بغیر اجر ملتا ہے۔ جنت انہی کی چیز ہے۔ مجھے اللہ کی خالص عبادت کرنے کا حکم ہوا ہے اور مجھ سے یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اپنی تمام امت سے پہلے میں خود مسلمان ہو جاؤں، اپنے آپ کو رب کے احکام کا عامل اور پابند کر لوں۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

کہہ دے کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے ○ کہہ دے کہ میں تو خاص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں ○

(آیت: ۱۳-۱۴) حکم ہوتا ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن عذاب الٰہی سے بے خوف نہیں ہوں۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو قیامت کے دن کے عذاب سے میں بھی بچ نہیں سکتا تو دوسرے لوگوں کو تو رب کی نافرمانی سے بہت زیادہ اجتناب کرنا چاہیے۔ تم اپنے دین کا بھی اعلان کر دو کہ میں پختہ اور یکسوئی والا موحد ہوں۔ تم جس کی چاہو عبادت کرتے رہو۔ اس میں بھی ڈانٹ ڈپٹ ہے نہ کہ اجازت۔ پورے نقصان میں وہ ہیں جنہوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنے والوں کو نقصان میں پھنسا دیا۔ قیامت کے دن ان میں جدائی ہو جائے گی۔ اگر ان کے اہل جنت میں گئے تو یہ دوزخ میں جل رہے ہیں اور ان سے الگ ہیں اور اگر سب جہنم میں گئے تو وہاں برائی کے ساتھ ایک دوسرے سے دور ہیں اور محزون و مغموم ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔ پھر ان کا حال جو جہنم میں ہوگا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اوپر تلے آگ ہی آگ ہوگی۔ جیسے فرمایا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آتش جہنم سے ہوگا۔ ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ اور آیت میں ہے یَوْمَ یَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ قیامت والے دن انہیں نیچے اوپر سے عذاب ہو رہا ہوگا اور اوپر سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔ یہ اس لئے ظاہر و باہر کر دیا گیا اور کھول کھول کر اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ اس حقیقی عذاب سے جو یقیناً آنے والا ہے، میرے بندے خبردار ہو جائیں اور گناہوں اور نافرمانیوں کو چھوڑ دیں۔ میرے بندو! میری پکڑ دھکڑ سے، میرے عذاب و غضب سے، میرے انتقام اور بدلے سے ڈرتے رہو۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ

مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۚ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو' کہہ دے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے تئیں اور اپنے والوں کے تئیں قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے۔ یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے ○ انہیں نیچے اوپر سے آگ کے شعلے مثل سائبان کے ڈھانک رہے ہوں گے' یہی عذاب ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے' میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○ جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے پرہیز کیا اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہے' وہ خوش خبری کے مستحق ہیں' پس میرے بندوں کو خوشخبری سنادے ○ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس پر عمل کرتے ہیں' یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل مند بھی ہیں ○

(آیت: ۱۷-۱۸) مروی ہے کہ یہ آیت زید بن عمر بن نفیل' ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت جس طرح ان بزرگوں پر مشتمل ہے' اسی طرح ہر اس شخص کو شامل کرتی ہے جس میں یہ پاک اوصاف ہوں یعنی بتوں سے بیزاری اور اللہ کی فرمانبرداری۔ یہ ہیں جن کے لئے دونوں جہان میں خوشیاں ہیں۔ بات سمجھ کر' سن کر جب وہ اچھی ہو تو اس پر عمل کرنے والے مستحق مبارک باد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے عطا فرمانے کے وقت فرمایا تھا' اسے مضبوطی سے تھامو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ اس کی اچھائی کو مضبوط تھام لیں۔ عقلمند اور نیک راہ لوگوں میں بھلی باتوں کے قبول کرنے کا صحیح مادہ ضرور ہوتا ہے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۚ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَعْدَ اللّٰهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہو تو کیا تو اسے جو دوزخ میں ہے' چھڑا سکتا ہے؟ ○ ہاں وہ لوگ جو اپنے رب کا لحاظ کرتے رہے' ان کیلئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالا خانے ہیں اور ان کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' رب کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

نیک اعمال کے حامل لوگوں کے لئے محلات: ☆☆ (آیت: ۱۹-۲۰) فرماتا ہے کہ جس کی بدبختی لکھی جا چکی ہے تو اسے کوئی بھی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔ کون ہے جو اللہ کے گمراہ کئے ہوئے کو راہ راست دکھا سکے؟ تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تو ان کی راہبری کر کے انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ ہاں نیک بخت' نیک اعمال' نیک عقیدہ لوگ قیامت کے دن جنت کے محلات میں مزے کریں گے' ان بالا خانوں میں جو کئی کئی منزلوں کے ہیں' تمام سامان آرائش سے آراستہ ہیں' وسیع اور بلند' خوبصورت اور جگمگ کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں' جنت میں

ایسے محل ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا' یارسول اللہؐ یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا' ان کے لئے جو نرم کلامی کریں' کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں' یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑگڑائیں۔ نمازیں پڑھیں (ترمذی وغیرہ)

مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بنایا ہے جو کھانا کھلائیں' کلام کو نرم رکھیں' پے در پے نفلی روزے بکثرت رکھیں اور پچھلی راتوں کو تہجد پڑھیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' جنتی جنت کے بالاخانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور روایت میں ہے' مشرقی مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا' حضورؐ یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' ہاں اور ان کے لئے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا' یارسول اللہؐ جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرے کو دیکھتے رہتے ہیں' اس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دنیوی کاروبار میں پھنس جاتے ہیں' بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہماری وہ حالت نہیں رہتی۔ تو آپؐ نے فرمایا' اگر تم ہر وقت اسی حالت میں رہتے جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے۔ ہم نے کہا' حضورؐ جنت کی بناء کس چیز کی ہے؟ فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اس کا چونا خالص مشک ہے' اس کی کنکریاں لولو اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا ہو' مالا مال ہو گیا۔ جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا' وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں۔ نہ موت کا کھٹکا ہے' ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں۔ ان کی جوانی دوامی ہے۔ سنو تین شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ' روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتا ہے' مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) ان محلات کے درمیان چشمے بہہ رہے ہیں اور وہ ایسے کہ جہاں چاہیں پانی پہنچائیں۔ جب اور جتنا چاہیں بہاؤ رہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے مومن بندوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات وعدہ خلافی سے پاک ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ
ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ
يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنۡ شَرَحَ ع ۱۲
اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ
مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۲﴾

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا ہے۔ پھر اسی کے ذریعے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے۔ پھر وہ خشک

ہو جاتی ہیں اور تو انہیں زرد رنگ دیکھتا ہے۔ پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے' اس میں عقل مندوں کے لئے بڑی بھاری عبرت ہے ○ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے' پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے' ویل اور ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یاد الٰہی سے اثر نہیں لیتے بلکہ سخت ہو گئے ہیں' یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں ○

زندگی کی بہترین مثال: ☆☆ (آیت:۲۱-۲۲) زمین میں جو پانی ہے' وہ درحقیقت آسمان سے اترا ہوا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں۔ یہ پانی زمین پی لیتی ہے اور اندر ہی اندر وہ پھیل جاتا ہے۔ پھر حسب حاجت کسی چشمہ سے اللہ تعالیٰ اسے نکالتا ہے اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ جو پانی زمین کے میل سے کھاری ہو جاتا ہے' وہ کھاری ہی رہتا ہے۔ اسی طرح آسمانی پانی برف کی شکل میں پہاڑوں پر جم جاتا ہے۔ جسے پہاڑ چوس لیتے ہیں اور پھر ان میں سے جھرنے بہ نکلتے ہیں۔ ان چشموں اور آبشاروں کا پانی کھیتوں میں پہنچتا ہے۔ جس سے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جو مختلف قسم کے رنگ و بو کی اور طرح طرح کے مزے اور شکل و صورت کی ہوتی ہیں۔ پھر آخری وقت میں ان کی جوانی بڑھاپے سے اور سبزی زردے سے بدل جاتی ہے۔ پھر خشک ہو جاتی ہے اور کاٹ لی جاتی ہے۔ کیا اس میں عقل مندوں کے لئے بصیرت و نصیحت نہیں؟ کیا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ اسی طرح دنیا ہے۔ آج ایک جوان اور خوبصورت نظر آتی ہے' کل بڑھیا اور بدصورت ہو جاتی ہے۔ آج ایک شخص نوجوان' طاقت مند ہے' کل وہی بوڑھا کھوسٹ اور کمزور نظر آتا ہے۔ پھر آخر موت کے پنجے میں پھنستا ہے۔ پس عقلمند انجام پر نظر رکھیں۔ بہتر وہ ہے جس کا انجام بہتر ہو۔ اکثر جگہ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے پیدا شدہ کھیتی کے ساتھ دے گئی ہے جیسے وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ میں۔ پھر فرماتا ہے' جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا' ذرا سوچو! جس نے رب کے پاس سے نور پالیا' وہ اور سخت سینے اور تنگ دل والا برابر ہو سکتا ہے۔ حق پر قائم اور حق سے دور یکساں ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا الخ وہ شخص جو مردہ تھا' ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے نور عطا فرمایا جسے اپنے ساتھ لئے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ اور یہ اور وہ جو اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے جن سے چھٹکارا محال ہے' دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پس یہاں بھی بطور نصیحت بیان فرمایا کہ جن کے دل اللہ کے ذکر سے نرم نہیں پڑتے' احکام الٰہی کو ماننے کے لئے نہیں کھلتے' رب کے سامنے عاجزی نہیں کرتے بلکہ سنگدل اور سخت دل ہیں' ان کے لئے ویل ہے' خرابی اور افسوس و حسرت ہے۔ یہ بالکل گمراہ ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے جس سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب کا خوف کھاتے ہیں۔ آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں' یہ ہے اللہ کی ہدایت جسے چاہے یہ بجھا دیتا ہے' اور جسے اللہ ہی راہ بھلا دے۔ اس کا ہادی کوئی نہیں ○

قرآن حکیم کی تاثیر: ☆☆ (آیت:۲۳) اللہ تعالیٰ اپنی اس کتاب قرآن کریم کی تعریف میں فرماتا ہے کہ اس بہترین کتاب کو اس نے نازل فرمایا ہے جو سب کی سب متشابہ ہیں اور جس کی آیتیں مکرر ہیں تاکہ فہم سے قریب تر ہو جائے۔ ایک آیت دوسری کے مشابہ اور ایک حرف دوسرے سے ملتا جلتا۔ اس سورت کی آیتیں اس سورت سے اور اس کی اس سے ملی جلی۔ ایک ایک ذکر کئی کئی جگہ اور پھر بے اختلاف

بعض آیتیں ایک ہی بیان میں' بعض میں جو مذکور ہے' اس کی ضد کا ذکر بھی انہی کے ساتھ ہے مثلاً مومنوں کے ذکر کے ساتھ ہی کافروں کا ذکر' جنت کے ساتھ ہی دوزخ کا بیان وغیرہ۔ دیکھئے ابرار کے ذکر کے ساتھ ہی فجار کا بیان ہے۔ سجین کے ساتھ ہی علیین کا بیان ہے۔ متقین کے ساتھ ہی طاغین کا بیان ہے۔ ذکر جنت کے ساتھ تذکرہ جہنم ہے۔ یعنی معنی ہیں مثانی کے۔ اور متشابہ ان آیتوں کو کہتے ہیں وہ تو یہ ہیں۔ اور وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ میں اور ہی معنی ہیں۔ اس کی پاک اور باا‌ثر آیتوں کا مومنوں کے دل پر نور پڑتا ہے وہ انہیں سنتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں' سزاؤں اور دھمکیوں کو سن کر ان کا کلیجہ کپکپانے لگتا ہے' رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور انتہائی عاجزی اور بہت ہی بڑی گریہ وزاری سے ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں' اس کی رحمت ولطف پر نظریں ڈال کر امیدیں بندھ جاتی ہیں۔ ان کا حال سیاہ دلوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہ رب کے کلام کو نبیوں سے سنتے ہیں۔ وہ گانے بجانے پر سر دھنتے ہیں۔ یہ آیات قرآنی سے ایمان میں بڑھتے ہیں۔ وہ انہیں سن کر اور کفر کے زینے پر چڑھتے ہیں۔ یہ روتے ہوئے سجدوں میں گر پڑتے ہیں۔ وہ مذاق اڑاتے ہوئے اکڑتے ہیں۔ فرمان قرآن ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ الخ یعنی یاد الٰہی مومنوں کے دلوں کو دہلا دیتی ہے' وہ ایمان وتوکل میں بڑھ جاتے ہیں' نماز وزکوٰۃ وخیرات کا خیال رکھتے ہیں' سچے باایمان یہی ہیں' درجے' مغفرت اور بہترین روزیاں یہی پائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا یعنی بھلے لوگ آیات قرآنیہ کو بہروں اندھوں کی طرح نہیں سنتے پڑھتے کہ ان کی طرف نہ توصحیح توجہ ہو نہ ارادہ عمل ہو بلکہ یہ کان لگا کر سنتے ہیں' دل لگا کر سمجھتے ہیں' غور وفکر سے معانی اور مطلب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اب توفیق ہاتھ آتی ہے' سجدے میں گر پڑتے ہیں اور تعمیل کے لئے کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ خود اپنی سمجھ سے کام کرنے والے ہوتے ہیں' دوسروں کی دیکھا دیکھی جہالت کے پیچھے پڑے نہیں رہتے۔ تیسرا وصف ان میں برخلاف دوسروں کے یہ ہے کہ قرآن کے سننے کے وقت باادب رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی تلاوت سن کر صحابہ کرامؓ کے جسم وروح ذکر اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ ان میں خشوع وخضوع پیدا ہو جاتا تھا لیکن یہ نہ تھا کہ چیخنے چلانے اور ہاؤ ہو کرنے لگیں اور اپنی صوفیت جتائیں بلکہ ثبات' سکون' ادب اور خشیت کے ساتھ کلام اللہ سنتے' دل جمعی اور سکون حاصل کرتے۔ اسی وجہ سے مستحق تعریف اور سزاوار توصیف ہوئے رضی اللہ عنہم۔

عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' اولیاء اللہ کی صفت یہی ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف وہ جھک جائیں' ان کے دل ڈر جائیں' ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ عقل جاتی رہے۔ حالت طاری ہو جائے۔ نیک وبد کا ہوش نہ رہے۔ یہ بدعتیوں کے افعال ہیں کہ ہا ہو کرنے لگتے ہیں اور کودتے اچھلتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ یہ شیطانی حرکت ہے۔ ذکر اللہ سے مراد وعدہ اللہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ہیں صفتیں ان لوگوں کی جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے۔ ان کے خلاف جنہیں پاؤ سمجھ لو کہ اللہ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور یقین رکھو کہ رب جنہیں ہدایت نہ دینا چاہے' انہیں کوئی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذابوں کی سپر اپنے منہ کو بنائے گا' ایسے ظالموں سے کہا جائے گا کہ اپنے کئے کا وبال چکھو ○ ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا- پھر ان پر ان کی بے خبری کی حالت میں ہی عذاب آ پڑے ○ اور اللہ نے انہیں زندگانی دنیا کی رسوائی کا مزہ چکھایا- اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے- کاش یہ لوگ سمجھ لیں ○

(آیت: ۲۴-۲۶) ایک وہ جسے اس ہنگامہ خیز دن میں امن وامان حاصل ہو اور ایک وہ جسے اپنے منہ پر عذاب کے تھپڑ کھانے پڑتے ہوں' برابر ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اوندھے منہ' منہ کے بل چلنے والا اور راست قامت اپنے پیروں سیدھی راہ چلنے والا برابر نہیں- ان کفار کو تو قیامت کے دن اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آگ کا مزہ چکھو- ایک اور آیت میں ہے اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ جہنم میں داخل کیا جانے والا بدنصیب اچھا یا امن وامان سے قیامت کا دن گزارنے والا اچھا؟ یہاں اس آیت کا مطلب یہی ہے لیکن ایک قسم کا ذکر کر کے دوسری قسم کے بیان کو چھوڑ دیا کیونکہ اسی سے وہ بھی سمجھ لیا جاتا ہے- یہ بات شعراء کے کلام میں برابر پائی جاتی ہے- اگلے لوگوں نے بھی اللہ کی باتوں کو نہ مانا تھا اور رسولوں کو جھوٹا کہا تھا- پھر دیکھو کہ ان پر کس طرح ان کی بے خبری میں مار پڑی؟ عذاب الٰہی نے انہیں دنیا میں بھی ذلیل وخوار کیا اور آخرت کے سخت عذاب بھی ان کے لئے باقی ہیں- پس تمہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ اشرف رسل کے ستانے اور نہ ماننے کی وجہ سے تم پر کہیں ان سے بھی بدتر عذاب برس نہ پڑیں- تم اگر ذی علم ہو تو ان کے حالات اور تذکرے تمہاری نصیحت کے لئے کافی ہیں-

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ
مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ
مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾ ع ۱۰ ۱۷

یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں- کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ قرآن عربی بے عیب ہے- ہو سکتا ہے کہ وہ پرہیزگاری اختیار کر لیں ○ سنو اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے- ایک وہ شخص جس میں بہت سے مختلف ساجھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک کا ہی غلام ہے' کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں؟ اللہ ہی کے لئے سب تعریف ہے- بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں ○ یقیناً خود تجھے بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں ○ پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے ○

فیصلے روز قیامت کو ہوں گے: ☆☆ (آیت: ۲۷-۳۱) چونکہ مثالوں سے باتیں ٹھیک طور پر سمجھ میں آ جاتی ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بھی بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ سوچ سمجھ لیں- چنانچہ ارشاد ہے ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اللہ نے تمہارے لئے وہ مثالیں بیان فرمائی ہیں جنہیں تم خود اپنے آپ میں بہت اچھی طرح جانتے بوجھتے ہو- ایک اور آیت میں ہے وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سامنے بیان کر رہے ہیں- علماء ہی انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہیں- یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی اور کوئی کمی نہیں' واضح دلیلیں اور روشن حجتیں ہیں- یہ اس لئے کہ اسے پڑھ کر' سن کر لوگ اپنا بچاؤ کر لیں- اس کے عذاب کی آیتوں کو سامنے رکھ کر برائیاں چھوڑیں اور اس کے ثواب کی آیتوں کی طرف نظریں رکھ کر نیک اعمال میں

محنت کریں۔ اس کے بعد جناب باری عزاسمہ موحد اور مشرک کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ غلام جس کے مالک بہت سارے ہوں اور وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور دوسرا وہ غلام جو خالص صرف ایک ہی شخص کی ملکیت کا ہو' اس کے سوا اس پر دوسرے کسی کا کوئی اختیار نہ ہو۔ کیا یہ دونوں تمہارے نزدیک یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح موحد جو صرف ایک اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی ہی عبادت کرتا ہے اور مشرک جس نے اپنے معبود بہت سے بنا رکھے ہیں' ان دونوں میں بھی کوئی نسبت نہیں۔ کہاں یہ مخلص موحد؟ کہاں یہ دربدر بھٹکنے والا مشرک؟ اس ظاہر' باہر' روشن اور صاف مثال کے بیان پر بھی رب العالمین کی حمد وثنا کرنی چاہیے کہ اس نے اپنے بندوں کو اس طرح سمجھا دیا کہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔ شرک کی بدی اور توحید کی خوبی ہر ایک کے ذہن میں آ جائے۔ اب رب کے ساتھ وہی شرک کریں گے جو محض بے علم ہوں۔ جن میں سمجھ بوجھ بالکل نہ ہو۔ اس کے بعد کی آیت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد پڑھ کر پھر دوسری آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی آخر آیت تک تلاوت کر کے لوگوں کو بتایا تھا۔ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ سب اس دنیا سے جانے والے ہیں۔ اور آخرت میں اپنے رب کے پاس جمع ہونے والے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ مشرکوں اور موحدوں میں صاف فیصلہ کر دے گا اور حق ظاہر ہو جائے گا۔ اس سے اچھے فیصلے والا اور اس سے زیادہ علم والا کون ہے؟ ایمان' اخلاص اور توحید وسنت والے نجات پائیں گے۔ شرک وکفر' انکار وتکذیب والے سخت سزائیں اٹھائیں گے۔ اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا' روز قیامت وہ اللہ عادل کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہوگا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کے دن پھر سے جھگڑے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں یقیناً۔ تو حضرت عبداللہؓ نے کہا' پھر تو سخت مشکل ہے (ابن ابی حاتم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ یعنی پھر اس دن تم سے اللہ کی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا' کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا؟ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا' اب نہیں ہیں تو کیا' عنقریب بہت سی نعمتیں ہو جائیں گی۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن بتاتے ہیں۔ مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ الخ' کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے' وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دوہرائے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرسش ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں وہ ضرور دوہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا تو آپ نے کہا' پھر تو سخت مشکل کام ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس میں جھگڑے پیش ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے' اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسری کو سینگ مارے ہوں گے' ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا (مسند احمد)

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو' یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضورؐ مجھے کیا خبر؟ آپؐ نے فرمایا' ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان میں بھی انصاف کرے گا۔ بزار میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ظالم اور

خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گی اور اس پر وہ غالب آ جائے گی اور اللہ کا فرمان ضرور ہوگا کہ جاؤ اسے جہنم کا ایک رکن بنا دو۔ اس حدیث کے ایک راوی اغلب بن تمیم کا حافظہ جیسا چاہیے ایسا نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' ہر سچا جھوٹے سے' ہر مظلوم ظالم سے' ہر ہدایت والا گمراہی والے سے' ہر کمزور زور آور سے اس روز جھگڑے گا۔ ابن مندہ رحمہ اللہ اپنی کتاب الروح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا' ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔

ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا۔ کہے گا۔ سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج' بالکل لولا لنگڑا' چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ دوسرا آدمی اندھا ہے لیکن اس کے پیر سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے۔ دونوں ایک باغ میں ہیں۔ لنگڑا اندھے سے کہتا ہے' بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں جو میں جا کر یہ پھل توڑلوں۔ اندھا کہتا ہے آ میرے پاؤں ہیں' میں تجھے اپنی پیٹھ پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور جی کھول کر پھل توڑے۔ بتاؤ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم و روح دونوں جواب دیتے ہیں کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے' بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا۔ یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم تعجب میں تھے کہ ہم میں اور اہل کتاب میں تو جھگڑا ہے ہی نہیں' پھر آخر روز قیامت میں کس سے جھگڑے ہوں گے؟ اس کے بعد جب آپس کے فتنے شروع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہی آپس کے جھگڑے ہیں جو اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔ ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سے جھگڑیں گے۔ اور ابن زید رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد اہل اسلام اور اہل کفر کا جھگڑا ہے۔ لیکن ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ فی الواقع یہ آیت عام ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور فضل و رحم سے تفسیر محمدی کا تئیسواں پارہ ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہماری تقصیر کی معافی کا سبب اس تفسیر کو بنا دے۔ ہمیں اپنے پاک کلام کی تلاوت کا ذوق' اس کے معنی کے سمجھنے کا شوق عطا فرمائے' علم و عمل کی توفیق دے' عذاب سے نجات دے' جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!